خلافت

خلافت اسلامی شریعت کے احکامات کو نافذ کرنے اور پوری دنیا کے سامنے اسلام کی دعوت کو پیش کرنے کے لیے تمام مسلمانوں کی ایک عام حکومت کا نام ہے۔ یہی بعینہٖ امامت ہے۔ پس خلافت اور امامت کا ایک ہی معنی ہے' اور صحیح احادیث میں یہ دونوں الفاظ (اصطلاحات) ایک ہی معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ کسی بھی شرعی نص یعنی قرآن اور سنت میں ان دونوں لفظوں میں سے کسی ایک کے معنی دوسرے سے مختلف نہیں۔ کیونکہ نصوصِ شرعیہ نے ان کو ایک ہی قرار دیا ہے۔ ان الفاظ یعنی امامت یا خلافت کی لفظی پابندی ضروری نہیں' بلکہ ان کے مفہوم کی پابندی فرض ہے۔ خلافت کو قائم کرنا پوری دنیا کے تمام مسلمانوں پر فرض ہے اور اس کا قیام ان دوسرے فرائض کی ادائیگی کی طرح فرض ہے' جن کو اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں پر فرض کیا ہے۔ یہ ایک حتمی (لازمی) فریضہ ہے جس میں کوئی اختیار اور کسی قسم کی سستی کی کوئی گنجائش نہیں' اور اس کی اقامت میں کوتاہی کرنا ان بڑے عظیم گناہوں میں سے ایک گناہ کا ارتکاب کرنا ہے' جن پر اللہ تعالیٰ سخت عذاب دیتا ہے۔ تمام مسلمانوں پر خلیفہ کی اقامت کی فرضیت کی دلیل کتاب اللہ' سنتِ رسول ﷺ اور اجماعِ صحابہؓ سے ثابت ہے۔

جہاں تک کتاب اللہ کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق فیصلہ کریں اور اس کا حکم قطعی شکل (طلبِ جازم) میں دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ هُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ

الْحَقِّ﴾ (المائدة:۴۸)

''پس ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ کریں' اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے' اس کے مقابلے میں ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔''

اور ارشاد ہے:

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهوَاءَ هُم وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوكَ عَن بَّعْضِ مَا اَنزَلَ اللّٰهُ اِلَيكَ﴾ (المائدة: ۴۹)

''اور یہ کہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ کریں' اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ اور ان سے محتاط رہیں کہ کہیں یہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (بعض احکامات) کے بارے میں آپ کو فتنے میں نہ ڈال دیں۔''

رسول ﷺ سے خطاب امت کے لیے بھی ہے جب تک کہ آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو۔ اور یہاں تخصیص کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ چنانچہ یہ خطاب تمام مسلمانوں کے لیے بھی ہے کہ وہ اسلامی احکامات کو قائم کریں۔ اور خلیفہ کے قیام سے مراد بھی یہی ہے کہ حکومت اور سلطان (شرعی اختیار کا حامل شخص) مقرر کیا جائے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اولوالامر (صاحبِ اقتدار) کی اطاعت کو بھی مسلمانوں پر فرض کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا اولوالامر ہونا چاہیے۔ ارشاد ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾

''اے ایمان والو! اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولوالامر (حکمرانوں) کی بھی۔ (النساء: ۵۹)

اللہ تعالیٰ کبھی بھی اس شخص کی اطاعت کا حکم نہیں دیتا جس کا وجود ہی نہ ہو۔ چنانچہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اولوالامر کا ہونا ضروری ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے اولوالامر کی اطاعت کا حکم دیا تو اس کے وجود کا حکم تو ضرور دے چکے ہیں۔ کیونکہ اولوالامر کے وجود

پر شرعی حکم کا دارومدار ہے اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں شرعی حکم ضائع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کا وجود فرض ہے۔ کیونکہ اس کے عدم وجود کی صورت میں حکمِ شرعی ضائع ہوتا ہے' جو حرام ہے۔ جہاں تک سنت کی بات ہے تو مسلمؒ نافعؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ مجھ سے ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

(مَن خَلَعَ يَدًا مِّنْ طَاعَةٍ ' لَقِيَ اللّٰهَ يَومَ القِيَامَةِ ' لَاحُجَّةَ لَهُ ' وَمَن مَاتَ وَلَيسَ فِي عُنُقِهٖ بَيعَةٌ ' مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً)

''جو شخص (امیر کی) اطاعت سے اپنا ہاتھ کھینچ لے تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوگی۔ اور جو کوئی اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں بیعت (کا طوق) نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر مسلمان پر یہ فرض کیا کہ اس کی گردن میں بیعت کا طوق ہو' اور جو اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں بیعت کا طوق نہیں تو گویا وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اور بیعت صرف اور صرف خلیفہ کی ہو سکتی ہے اس کے علاوہ اور کسی کی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرض قرار دیا کہ ہر مسلمان کی گردن میں خلیفہ کی بیعت کا طوق ہو' یہ نہیں فرمایا کہ ہر ایک مسلمان خلیفہ کی بیعت کرے۔ چنانچہ فرض صرف ہر مسلمان کی گردن میں بیعت کے طوق کا ہونا ہے' یعنی ایسے خلیفہ کا ہونا' جس کی بیعت کی جا سکے۔ خلیفہ کے موجود ہونے سے ہر مسلمان کی گردن میں بیعت کا طوق ہوتا ہے' چاہے وہ بالفعل بیعت نہ بھی کرے۔ چنانچہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خلیفہ کا تقرر فرض ہے' نہ کہ ہر فرد کا اس کی بیعت بھی کرنا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس چیز کی مذمت کی ہے' وہ ہے مسلمان کی گردن کا موت تک بیعت (خلیفہ) سے خالی ہونا' نہ کہ بیعت کا سرے سے نہ کرنا۔ مسلمؒ نے اعرج سے اور انہوں نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(إِنَّمَا الاِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِن وَّرَائِهٖ وَيُتَّقٰى بِهٖ)

''خلیفہ ڈھال ہے جس کے پیچھے سے لڑا جاتا ہے اور اسی کے ذریعے تحفظ حاصل ہوتا

ہے۔''

مسلمؒ نے ابوحازم سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: ''میں پانچ سال تک ابو ہریرہؓ کی صحبت میں رہا۔ میں نے انہیں نبی ﷺ سے یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

(كَانَتْ بَنُوْ اِسرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الاَنبِيَاءُ ' كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ ' وَاِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعدِي ' وَسَتَكُونُ خُلَفَاءُ فَتَكثُرُ ' قَالُوا: فَمَا تَأمُرُنَا؟ قَالَ: فُوْا بِبَيْعَةِ الاَوَّلِ فَالاَوَّلِ' وَاعْطُوهُم حَقَّهُم ' فَاِنَّ اللّٰهَ سَائِلُهُم عَمَّا اسْتَرعَا هُمْ)

''بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے۔ جب کوئی نبی وفات پاتا تو دوسرا نبی اس کی جگہ لے لیتا' جبکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے' بلکہ بڑی کثرت سے خلفاء ہوں گے۔ صحابہؓ نے پوچھا: آپ (ﷺ) ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''تم ایک کے بعد دوسرے کی بیعت کو پورا کرو اور انہیں ان کا حق ادا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعایا کے بارے میں پوچھے گا' جو اُس نے انہیں دی۔''

اور صحیح مسلم میں ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(مَن كَرِهَ مِنْ اَمِيرِهِ شَيئًا فَلْيَصْبِرْ عَلَيهِ ' فَاِنَّهُ لَيْسَ اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ يَخْرُجُ مِنَ السُّلطَانِ شِبرًا ' فَمَاتَ عَلَيهِ ' اِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً)

''جس نے اپنے امیر کی کسی چیز کو ناپسند کیا تو لازم ہے کہ وہ اس پر صبر کرے۔ کیونکہ لوگوں میں سے جس نے بھی امیر کی اطاعت سے بالشت برابر بھی خروج کیا اور وہ اس حالت میں مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ مسلمانوں کے حکمران ہوں گے اور ان میں خلیفہ کی یہ صفت بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ ڈھال یعنی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امام کو ڈھال کہنا امام کی موجودگی کے فوائد بتانا ہے۔ چنانچہ اس میں طلب ہے۔ کیونکہ اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے کسی چیز کی خبر اگر مذمت کے طور پر ہو تو

اس کو ترک کرنا مطلوب ہوتا ہے یعنی وہ ''نہی'' ہوتا ہے۔ اور اگر اس میں مدح (تعریف) ہو تو وہ عمل مطلوب ہوتا ہے۔ پس اگر وہ فعل مطلوب بھی ہو اور اس پر کسی حکمِ شرعی کا انحصار بھی ہو اور فعل کے نہ کرنے کی صورت میں حکمِ شرعی کے ضائع ہونے کا اندیشہ بھی ہو، تو یہ طلبِ جازم (فرض) ہوگا۔ ان احادیث میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے سیاستدان خلفاء ہی ہوں گے۔ اس کا مطلب ہے کہ ان کا قیام مطلوب ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے لیے سلطان (شرعی اختیار کے حامل شخص) سے علیحدگی اختیار کرنا حرام ہے۔ اور اس میں اس کی طرف اشارہ بھی ہے کہ مسلمانوں پر اپنے لیے ایک ایسے سلطان کو مقرر کرنا واجب ہے جو ان پر اسلام نافذ کرے۔ اس کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلفاء کی اطاعت اور ان کی خلافت میں تنازع کرنے والوں سے قتال کا حکم دیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ خلافت کو قائم کرنے اور اس کی حفاظت کرنے اور اس میں تنازع کرنے والوں کے خلاف جنگ کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ مسلمؒ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

(وَمَنْ بَايَعَ اِمَامًا فَاَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهٖ وَثَمَرَةَ قَلْبِهٖ ، فَلْيُطِعْهُ اِن استَطَاعَ ، فَاِنْ جَآءَ آخَرُ يُنَازِعهُ فَاضرِبُوا عُنُقَ الآخَرِ)

''اور جو شخص کسی امام (خلیفہ) کی بیعت کرے تو اسے اپنے ہاتھ کا معاملہ اور دل کا پھل دے دے (یعنی سب کچھ اس کے حوالہ کر دے)، پھر اسے چاہیے کہ وہ حسبِ استطاعت اس کی اطاعت بھی کرے۔ اگر کوئی دوسرا شخص آئے اور پہلے خلیفہ سے تنازع کرے تو دوسرے کی گردن اڑا دو۔''

امام کی اطاعت کا حکم اس کی اقامت کا حکم بھی ہے اور اس کے ساتھ جھگڑنے والے کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم خلیفہ کے ہمیشہ ایک ہونے پر حتمی (طلبِ جازم) حکم کے لیے واضح قرینہ ہے۔

جہاں تک اجماعِ صحابہ کی بات ہے تو تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اسی مقصد کے لیے خلیفہ مقرر کرنے پر اجماع کیا اور ابو بکرؓ

کی خلافت پر جمع ہو گئے' پھر عمرؓ کی خلافت پر اور ان کی وفات کے بعد عثمانؓ کی خلافت پر۔ اس مسئلے پر اجماعِ صحابہ کی تاکید اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے لیے خلیفہ مقرر کرنے میں مصروف ہو گئے اور آپ کی تدفین میں تاخیر کی۔ باوجود یکہ وفات کے بعد میت کو دفن کرنا فرض ہے' اور جن لوگوں پر اس میت کو دفن کرنا فرض ہے' ان کا تدفین سے پہلے کسی اور کام میں مشغول ہو جانا حرام ہے۔ چنانچہ جن صحابہؓ پر آپ ﷺ کی تدفین فرض تھی۔ ان میں سے بعض خلیفہ کے تقرر میں مشغول ہو گئے جبکہ دوسرے صحابہؓ نے اس مشغولیت پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں کیا اور وہ سب دو راتوں کی تاخیر کے بعد رسول ﷺ کی تدفین میں شریک ہوئے۔ حالانکہ وہ انکار بھی کر سکتے تھے' اور آپ ﷺ کو دفن بھی کر سکتے تھے۔ تو یہ اجماع تھا میت کو بھی چھوڑ کر خلیفہ کے تقرر میں لگے رہنے پر۔ یہ صرف اس وجہ سے ہوا کہ خلیفہ کا تقرر میت کی تدفین سے زیادہ اہم تھا (بڑا فریضہ تھا)' اور تمام صحابہؓ نے اپنی پوری زندگی میں خلیفہ کے تقرر کی فرضیت پر اجماع کیا۔ اس بارے میں تو اختلاف ہوا کہ کون خلیفہ ہوگا؟ لیکن اس بات پر کبھی اختلاف نہیں ہوا کہ خلافت فرض بھی ہے کہ نہیں؟ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے موقع پر اور نہ کسی خلیفہ کی وفات کے وقت۔ چنانچہ خلیفہ کے تقرر کے بارے میں اجماعِ صحابہؓ ایک واضح اور مضبوط دلیل ہے۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ دنیا اور آخرت سے متعلق زندگی کے ہر پہلو میں شرعی احکامات کو نافذ کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس کی دلیل قطعی الثبوت بھی ہے اور قطعی الدلالۃ بھی۔ اور یہ ایک صاحبِ اختیار حاکم کے بغیر ممکن نہیں۔ اور شرعی قاعدہ یہ ہے کہ ''جس چیز کے بغیر کوئی فرض ادا نہیں ہوتا وہ بھی فرض ہے۔'' چنانچہ خلیفہ کے تقرر کی فرضیت اس جہت سے بھی ثابت ہے۔

یہ دلائل بڑے صریح اور واضح ہیں کہ مسلمانوں پر اپنے میں سے ایک سلطان (شرعی اختیار کا حامل شخص) اور اسلامی حکومت کو قائم کرنا فرض ہے۔ اور یہ دلائل اس مسئلہ پر بھی واضح اور صریح ہیں کہ ایک صاحبِ اختیار اور صاحبِ حکومت خلیفہ کا تقرر فرض ہے' جو شرعی احکامات کے نفاذ کے لیے بھی ہو' نہ کہ صرف اختیار اور حکومت کے لیے۔ اس کو سمجھنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے اس قول پر غور کریں جسے مسلمؒ نے عوفؓ بن مالک سے نقل کیا ہے:

(خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُم وَيُحِبُّونَكُم ، وَيُصَلُّونَ عَلَيكُم وَتُصَلُّونَ عَلَيهِم، وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ وَتَلعَنُونَهُمْ وَيَلعَنُونَكُمْ ، قِيلَ: يَارَسُولَ اللّٰهِ ! أَفَلا نُنَابِذُهُم بِالسَّيفِ ، فَقَالَ: لَا. مَا أَقَامُوا فِيكُمُ الصَّلَاةَ ، وَإِذَا رَأَيتُمْ مِنْ وُّلاتِكُمْ شَيئًا تَكْرَهُونَهُ ، فَاكْرَهُوا عَمَلَهُ ، وَلَا تَنْزِعُوا يَدًامِّنْ طَاعَتِهِ)

''تمہارے لیے بہترین امام وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں۔ وہ تمہارے لیے دعائیں کریں اور تم ان کے لیے دعائیں کرو۔ اور تمہارے بدترین امام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں۔ تم ان پر لعنتیں بھیجو اور وہ تم پر لعنتیں بھیجیں۔'' اس پر آپ (ﷺ) سے سوال کیا گیا: ''کیا ہم ایسی صورت میں بزورِ شمشیر انہیں ہٹا نہ دیں؟'' آپ (ﷺ) نے فرمایا: ''اس وقت تک نہیں جب تک کہ وہ تمہارے درمیان نماز قائم رکھیں۔ اور اگر تم اپنے حکمرانوں سے کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھو تو صرف اسی چیز کو ناپسند کرو۔ اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچو۔''

یہ حدیث بہترین اور بدترین اماموں کے بارے میں خبر دینے میں واضح ہے۔ اور جب تک وہ دین کو قائم رکھیں اس وقت تک ان کے خلاف تلوار اٹھانا حرام ہے۔ کیونکہ اقامتِ نماز اقامتِ دین اور اس کے احکام سے کنایہ ہے۔ پس اسلام کے احکام نافذ کرنے اور اسلام کو پھیلانے کے لیے خلیفہ کا تقرر مسلمانوں پر فرض ہے اور یہ ایسے شرعی نصوص سے ثابت ہے کہ اس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اسلامی احکامات کے نفاذ اور مسلمانوں کی سرزمین کی حفاظت کو فرض قرار دیا ہے۔ البتہ یہ فرضِ کفایہ ہے۔ اگر بعض لوگ اس کے قیام کے لیے کوششیں کرنے کے باوجود اسے قائم نہ کر سکے تو وہ تمام مسلمانوں پر بطورِ فرض باقی رہے گا۔ اور کسی مسلمان سے اس وقت تک یہ فرض ساقط نہیں ہوگا جب تک کہ مسلمان خلیفہ کے بغیر رہیں گے۔ خلیفۃ المسلمین کے قیام سے کنارہ کشی اختیار کرنا سب سے بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ یہ اسلامی فرائض میں سے ایک ایسے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا ہے جس پر اسلامی

احکامات کے نفاذ کا انحصار ہے' بلکہ کارزارِ حیات میں اسلام کا وجود بھی اسی کا محتاج ہے۔ اگر تمام مسلمان خلیفۃ المسلمین کے تقرر کا کام چھوڑ کر بیٹھ جائیں تو سب سخت گنہگار ہوں گے۔ اگر وہ سب اس کوتاہی پر اکٹھے ہو گئے تو دنیا بھر کے تمام مسلمان فرداً فرداً گنہگار ٹھہریں گے۔ اور اگر کچھ لوگ خلیفہ کے تقرر کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور باقی نہ کھڑے ہوں تو کھڑے ہونے والوں سے تو گناہ ساقط ہو جائے گا البتہ اس وقت تک ان پر فرض باقی رہے گا جب تک کہ خلیفہ کا تقرر ہو نہیں جاتا۔ کیونکہ کسی فرض کی ادائیگی کے لیے جدوجہد میں مشغولیت سے اس کی ادائیگی میں تاخیر' یا عدم ادائیگی کے باوجود ان سے گناہ ساقط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی ادائیگی جدوجہد ہی سے ممکن ہے۔ لیکن کسی زبردست رکاوٹ نے انہیں اس کام کی ادائیگی سے رکنے پر مجبور کر دیا۔ جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو فرض کی ادائیگی والے کام ہی نہیں کرتے تو وہ ایک خلیفہ کے جانے کے تین دن بعد سے لے کر اگلے خلیفہ کے تقرر تک گنہگار رہوں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ فرض عائد کیا اور انہوں نے اس کو ادا کیا نہ اس کی ادائیگی کے لیے وہ کام کیا جو اس فرض کی ادائیگی کا ذریعہ بن سکے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں اللہ کی طرف سے عذاب اور رُسوائی کے حقدار ٹھہریں گے۔ خلیفہ کے قیام اور اس کے لیے ضروری اعمال کی عدم ادائیگی کی بدولت عام مسلمانوں کے گنہگار ہونے کا سبب نہایت واضح ہے۔ کیونکہ جب کوئی مسلمان اللہ کی طرف سے عائد کردہ کسی بھی فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرے تو وہ سزاوار ہوتا ہے۔ خاص طور پر ایک ایسا فرض' جس کے ذریعے دوسرے فرائض کا نفاذ ہوتا ہو۔ اسلام کے احکامات قائم ہو رہے ہوں اور چار دانگِ عالم میں اللہ کا دین سربلند ہو رہا ہو۔

بعض احادیث میں جو یہ وارد ہوا ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ لوگوں سے جدا رہ کر صرف اپنی ذات سے متعلق دینی فرائض کو ادا کرتے ہوئے دین پر کاربند رہے اور اسی پر انحصار کرے۔ یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ خلافت کے قیام ہی سے منہ موڑ لیا جائے اور نہ ایسا کرنے سے وہ گناہ سے مبرّا ہو گا۔ ان احادیث میں غور کرنے والا شخص یہ محسوس کرے گا کہ ان میں دین پر کاربند رہنے کا حکم دیا گیا ہے' نہ کہ خلیفۃ المسلمین کے قیام سے ہاتھ کھینچ لینے کی رخصت

(اجازت) موجود ہے۔جیسا کہ بخاریؒ نے بسر بن عبید اللہ الحضر می سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ابوادریس الخولانی کو سنا اور انہوں نے حذیفہؓ بن الیمان کو یہ کہتے ہوئے سنا:

(كَانَ النَّاسُ يَسألُونَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَنِ الخَيرِ وَكُنتُ أسألُهُ عَنِ الشَّرِّ ، مَخَافَةً أن يُّدرِكَنِي، فَقُلتُ يَارَسُولَ اللّٰهِ ! اِنَّاكُنَّا فِيْ جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ فَجَاء نَااللّٰهُ بِهٰذَا الخَيْرِ فَهَلْ بَعدَ هٰذَاالخَيرِ مِن شَرٍّ ؟ قَالَ نَعَم، قُلْتُ وَهَلْ بَعدَ ذالِكَ الشَّرِّ مِن خَيرٍ؟ قَالَ نَعم: وَفِيهِ دَخَنٌ ، قُلتُ وَمَا دَخَنُهُ ؟ قَالَ قَومٌ يَّهدُونَ بِغَيرِ هَدْيِیْ تَعرِفُ مِنهُم وَتُنكِرُ ، قُلتُ فَهَل بَعدَ ذَالِكَ الخَيرِ مِن شَرٍّ ؟ قَالَ نَعَم، دُعَاةٌ عَلٰى اَبوَابِ جَهَنَّمَ مَن اَجَابَهُم اِلَيهَأ قَذَفُوهُ فِيهَا ، قُلتُ يَارَسُولَ اللّٰهِ ! صِفْهُمْ لَنَا ، قَالَ هُم مِن جِلْدَتِنَا، وَيَتَكَلَّمُونَ بِاَلسِنَتِنَا ، قُلتُ فَمَا تَأمُرُنِی اِن اَدرَكَنِی ذَالِكَ ؟ قَالَ تَلْزِمُ جَمَاعَةَ المُسلِمِينَ وَاِمَامَهُم ، قُلتُ فَاِن لَّم يَكُن لَهُم جَمَاعَةٌ وَلَا اِمَامٌ ، قَالَ: فَاعتَزِلْ تِلْكَ الفِرَقَ كُلَّهَا ، وَلَوْاَن تَعُضَّ بِاَصلِ شَجَرَةٍ حَتّٰى يُدرِكَكَ المَوتُ وَاَنتَ عَلٰى ذالِكَ)

''عام طور پر لوگ رسول اللہ ﷺ سے خیر کے بارے میں سوالات پوچھا کرتے تھے جبکہ میں آپ سے شر کے بارے پوچھا کرتا تھا کہ مبادا اس میں گرفتار ہو جاؤں۔چنانچہ میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ہم جاہلیت اور شر میں گھرے ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خیر عطا فرمادی، تو کیا اس خیر کے بعد بھی شر ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے کہا: اس شر کے بعد خیر آئے گی؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اور اس میں دخن (دھواں) ہوگا۔میں نے عرض کیا: اس کا دخن (دھواں) کیا ہوگا؟ فرمایا: ''ایسی قوم ہوگی جو میری ہدایت کے بغیر ہدایت کرے گی۔ان میں سے کچھ چیزیں تمہیں اچھی لگیں گی اور کچھ بری۔میں نے کہا: ''کیا اس خیر کے بعد بھی شر ہوگا؟ فرمایا: ہاں! جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہوئے داعی (مبلغ) ہوں گے۔ جس نے اس جہنم کی طرف بلانے والے کی پکار کو قبول کیا تو وہ اُسے اس میں پھینک دیں گے۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ ہمیں ان کی صفات بتادیں۔آپ ﷺ نے

فرمایا: ''وہ ہماری چمڑی (مراد ہم میں) سے ہوں گے اور ہماری زبانیں بولیں گے۔'' میں نے کہا: ''اگر مجھ پر یہ زمانہ آئے تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام (خلیفہ) کے ساتھ چمٹے رہو۔'' میں نے عرض کیا: ''اگر ان کی جماعت اور امام (خلیفہ) نہ ہو؟ آپ نے فرمایا: ''ان تمام فرقوں سے جدا رہنا اگر چہ تجھے درخت کی جڑیں ہی چبانی پڑیں۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں تجھے موت آ جائے۔''

یہ حدیث اس بارے میں نہایت واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مسلمان کو یہ حکم دے رہے ہیں کہ وہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام (خلیفہ) کے ساتھ چمٹا رہے اور ان داعیوں کو چھوڑ دے جو جہنم کے دہانے پر کھڑے ہیں۔ اس پر سوال کرنے والے نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ جب مسلمانوں کی جماعت اور امام (خلیفہ) نہ ہو تو اس وقت وہ جہنم کے دہانے پر کھڑے ان داعیوں کے بارے میں کیا کرے تو اس صورتِ حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ ان تمام فرقوں سے جدائی اختیار کرے۔ یہ نہیں کہا کہ وہ مسلمانوں سے جدا ہو جائے اور نہ یہ کہا کہ وہ امام (خلیفہ) کے قیام کا فریضہ ہی ترک کر کے بیٹھ جائے۔ لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ''ان تمام فرقوں سے جدا ہو جانا'' نہایت واضح ہے۔ آپ ﷺ نے ان تمام فرقوں سے جدا ہونے پر اس قدر زور دیا کہ چاہے اس کے لیے مدت تک درخت کی جڑیں ہی کیوں نہ چبانی پڑیں حتّٰی کہ موت اسے آ لے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کے دہانے پر کھڑے گمراہ داعیوں سے دور رہتے ہوئے دین پر کاربند رہا جائے۔ اس حدیث میں اقامتِ خلافت کے لیے جدوجہد کرنے سے باز رہنے کا کوئی عذر بیان ہوا اور نہ اس سے رخصت دی گئی ہے۔ بلکہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ دین کو مضبوطی سے تھاما جائے اور جہنم کے دہانے پر کھڑے داعیوں سے دور رہا جائے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ جب تک مسلمان اقامتِ خلافت کے لیے کام نہیں کرتا اس وقت تک وہ گنہگار رہے گا۔ وہ اس بات کا پابند ہے کہ وہ تمام گمراہ فرقوں سے جدا رہے، تا کہ گمراہ داعیوں سے اپنا دین بچا سکے، چاہے اس کے لیے اسے درخت کی جڑیں ہی کیوں نہ چبانی پڑیں۔ اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کی جماعت ہی سے سرے

سے دور ہو جائے اور دینی احکامات کے نفاذ کے لیے مسلمانوں کے امام (خلیفہ) کی اقامت کے فرض ہی کو ترک کر دے۔

اسی طرح بخاریؒ نے ابوسعید خدریؓ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(يُوشِكُ اَنْ يَّكُونَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ، وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ، يَفِرُّ بِدِيْنِهٖ مِنَ الفِتَنِ)

''قریب ہے کہ فتنوں سے بھاگ کر اپنا دین بچانے والے مسلمان کا بہترین مال وہ بکریاں ہوں گی جن کے پیچھے وہ پہاڑوں کے رستوں اور پانی کی جگہوں پر پھرتا رہے گا۔''

یہاں یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسلمانوں کی جماعت سے الگ تھلگ ہو کر دینی احکامات پر عمل چھوڑ دیا جائے، اور جب رُوئے زمین سے خلافت ختم ہو جائے تو اس کے قیام کے لیے جدوجہد ہی نہ کی جائے۔ بلکہ اس میں تو یہ بیان ہوا ہے کہ فتنوں کے دور میں مسلمان کا بہترین مال کون سا ہوگا اور فتنوں سے دور رہنے کے لیے کونسا عمل بہتر ہوگا؟ اس میں مسلمانوں سے دور اور لوگوں سے الگ تھلگ رہنے کی قطعاً کوئی ترغیب نہیں دی گئی۔ چنانچہ رُوئے زمین پر کوئی مسلمان اقامتِ دین کے حکم سے مستثنٰی نہیں، جسے اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کیا ہے۔ یعنی اُس وقت ایک خلیفہ کو قائم کرنا جبکہ اس دنیا میں خلافت موجود نہ ہو اور نہ کوئی اللہ تعالیٰ کے محرمات کے تحفظ کے لیے حدود اللہ کو قائم کرنے والا ہو۔ نہ کوئی دین کے قوانین کو نافذ کرنے والا اور نہ مسلمانوں کو ''لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ'' کے جھنڈے تلے ایک کرنے والا ہو۔ چنانچہ جب تک یہ فرض پورا نہ ہو جائے، مسلمان کو اس کے لیے جدوجہد کو ترک کرنے کی کوئی رخصت نہیں ہے۔

خلیفہ کے قیام کے لیے مسلمانوں کو دی گئی مہلت

خلیفہ کے قیام کے لیے مسلمانوں کو دو راتوں کی مہلت دی گئی ہے۔ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ دو راتوں سے زائد اس حالت میں گزارے جبکہ اس کی گردن پر کسی (خلیفہ) کی بیعت نہ ہو۔ جہاں تک زیادہ سے زیادہ دو راتوں کی مدت مقرر کرنے کا تعلق ہے تو یہ اس لیے ہے کہ نئے خلیفہ کا انتخاب اسی وقت فرض ہو جاتا ہے جب سابقہ خلیفہ فوت ہو جائے یا معزول کر دیا جائے۔ اگر مسلمان خلیفہ کے تقرر میں مشغول ہوں تو اس صورت میں خلیفہ کے تقرر میں دو راتوں کی تاخیر جائز ہے۔ جب دو راتوں سے زیادہ وقت گزر جائے تو پھر صورتِ حال کا جائزہ لیا جائے گا۔ اگر مسلمان خلیفہ کے تقرر میں مصروف ہیں اور کچھ سخت مشکلات کے باعث دو راتوں تک اس کام کو سرانجام نہیں دے سکے، جن کو دور کرنے کا کوئی راستہ نہ ہو تو اس صورت میں ان سے گناہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ فرض کی ادائیگی میں مصروف رہے اور انہیں کچھ رکاوٹوں نے تاخیر پر مجبور کیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''میری امت سے غلطی، بھول اور ان افعال کا مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا جن پر انہیں مجبور کر دیا گیا ہو۔'' حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

(رُفِعَ عَن اُمَّتِی اَلخَطَاءُ وَالنِّسیَانُ وَمَااستَکرَھُوُا عَلَیہِ)

اگر وہ اس فرض کو ادا کرنے میں مصروف نہ ہوں تو وہ تمام کے تمام اس وقت تک گنہگار ہوں گے جب تک کہ خلیفہ کا قیام عمل میں نہ آ جائے۔ اس صورت میں اقامتِ خلیفہ کا فرض تو ادا ہو جائے گا لیکن وہ (خلافت کے قیام کے لیے) جدوجہد ترک کرنے کی بناء پر گناہ کے مرتکب ضرور ٹھہریں گے، جو ان سے ساقط نہیں ہوگا بلکہ ان پر باقی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر ان کا اسی طرح محاسبہ کرے گا جیسے وہ کسی دوسرے فرض کی عدم ادائیگی کی بناء پر کرے گا۔

اقامتِ خلیفہ کے فرض کی ادائیگی کے لیے مسلمانوں کو دو راتوں کی مہلت دینے کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے پاس جونہی نبی ﷺ کی وفات کی خبر پہنچی تو وہ آپ ﷺ کے بعد خلیفہ کے تقرر کے معاملہ پر غور وخوض کے لیے فوراً سقیفہ بنوساعدہ میں جمع ہوگئے۔ وہ سقیفہ بنوساعدہ میں برابر بحث کرتے رہے یہاں تک کہ دوسرے دن لوگ بیعت کے لیے مسجد میں جمع ہوگئے۔ یوں اس کام میں دو راتیں اور تین دن گزر گئے۔ اسی طرح جب عمرؓ کو کاری زخم سے اپنی موت کا یقین ہوگیا تو انہوں نے اہلِ شوریٰ سے عہد لیا اور ان کے لیے تین دن کی مدت مقرر کی۔ پھر یہ وصیت بھی کی کہ تین روز میں اگر کسی ایک خلیفہ پر اتفاق نہ ہوا تو تین دن گزرنے کے بعد اس مسئلے میں اختلاف کرنے والے کو قتل کردو۔ انہوں نے اس فیصلے کو نافذ کرنے کی ذمّہ داری پچاس افراد پر ڈالی۔ یعنی مخالفت کرنے والے کے قتل کی ذمہ داری۔ باوجود اس کے کہ وہ اہلِ شوریٰ اور جلیل القدر صحابہؓ میں سے تھے۔ یہ سارا کام صحابہؓ کے سامنے ہوا اور انہوں نے اسے سنا۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ ان میں سے کسی نے بھی اس کی مخالفت کی ہو یا انکار کیا ہو۔ پس صحابہؓ کا اجماع تھا کہ خلیفہ کے بغیر مسلمانوں کے لیے دو راتوں اور تین دنوں سے زیادہ وقت گزارنا جائز نہیں اور اجماعِ صحابہؓ بھی کتاب وسنت کی طرح ایک شرعی دلیل ہے۔

خلافت کا انعقاد

خلافت رضامندی اوراختیار کاایک عقد (معاہدہ) ہے جو مستحقِ اطاعت امیر کی اطاعت کی بیعت کے لیے ہے۔ اس لیے اس میں جس کو بیعت دی جارہی ہے (خلیفہ)' اور بیعت کرنے والے دونوں کی رضامندی شامل ہونی چاہیے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص خلیفہ بننے سے انکار کردے تو اس پر اسے مجبور کرنا جائز نہیں' بلکہ ایسی صورت میں کسی دوسرے کو منتخب کرلینا چاہیے۔ اسی طرح لوگوں کو مجبور کرکے ان سے بیعت لینا بھی جائز نہیں کیونکہ پھر اس قسم کا عقد رضامندی اوراختیار کا نہیں' بلکہ اس کے برعکس ہوگا۔ کیونکہ اب اس میں زبردستی اور مجبوری کا عنصر داخل ہوگیا۔ بیعت بھی دوسرے عقود کی طرح ایک عقد ہے۔ اگر بیعت کا عقد ان لوگوں کی بیعت دینے سے مکمل ہوجائے' جن کی بیعت معتبر ہے تو یہ معاہدہ ہوگیا۔ اور جس کی بیعت کی گئی وُہی اولو الأمر ہوگا۔ چنانچہ اس کی اطاعت اب فرض ہے۔ اس کے بعد کی بیعت اطاعت کی بیعت ہوگی خلافت کے انعقاد کی نہیں۔ اب باقی لوگوں کو اس کی بیعت پر مجبور کرنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ اطاعت پر مجبور کرنا ہے جو شرعاً جائز ہے۔ اس کو ''اجبار'' (زبردستی) نہیں کہا جائے گا' کیونکہ یہ خلافت کے انعقاد کی بیعت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پہلی بیعت ایک عقد ہے' جو صرف رضامندی اوراختیار سے منعقد ہوگا۔ جبکہ خلیفہ کی بیعت کرنے سے مراد خلیفہ کی اطاعت کی بیعت ہوگی۔ اور اس میں اللہ کے حکم کو نافذ کرنے کے لیے زبردستی کرنا جائز ہے۔ چونکہ خلافت ایک عقد ہے' اس لیے عاقد (معاہدہ کرنے والے) کی موجودگی ضروری ہے' جیسا کہ قضا (عدلیہ) میں کوئی بھی شخص اس وقت تک قاضی نہیں ہوسکتا جب تک کہ کوئی اسے یہ ذمہ داری نہ سونپے۔ حکومت کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔ کوئی شخص اس وقت تک حاکم نہیں ہوسکتا جب تک کہ کوئی اسے حکومت کی ذمہ داری

نہ سونپے۔ یہی صورتحال خلافت کی ہے۔ کوئی شخص اس وقت تک خلیفہ نہیں ہوسکتا کہ جب تک کوئی اسے خلیفہ نامزد نہ کرے۔ چنانچہ اس سے ظاہر ہوا کہ کوئی شخص اس وقت تک خلیفہ نہیں ہوسکتا جب تک کہ مسلمان اسے خلیفہ مقرر نہ کرلیں۔ اور کوئی شخص خلافت کے اختیار کا حامل اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ خلافت کے معاہدے کی تکمیل نہ ہو جائے۔ اور عقد اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے دونوں عاقد' یعنی خلافت کا امیدوار اور وہ مسلمان' جو اس کی بیعت پر راضی ہیں' موجود نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی بیعت ضروری ہے۔ چنانچہ کوئی زبردستی حکومت پر قبضہ کرنے سے خلیفہ نہیں بنتا' اگرچہ وہ اپنے بارے میں مسلمانوں کے خلیفہ ہونے کا اعلان بھی کردے۔ کیونکہ مسلمانوں کی طرف سے اس کی خلافت کا عقد ہی نہیں ہوا۔ وہ زبردستی اور جبراً بیعت بھی لے لے اور لوگ اس کی بیعت کر بھی لیں تو پھر بھی وہ خلیفہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ زبردستی اور جبراً لی گئی بیعت کا کوئی اعتبار نہیں اور اس سے خلافت کا انعقاد نہیں ہوسکتا۔ خلافت کا عقد رضامندی اور ایک اختیاری عقد ہے' زبردستی اور جبراً منعقد ہی نہیں ہوتا۔ صرف رضامندی اور اپنے اختیار سے بیعت دینے سے ہوتا ہے۔ ہاں! اگر حکومت پر قبضہ کرنے والا شخص لوگوں کو قائل کرنے میں کامیاب ہوا کہ مسلمانوں کی مصلحت اسی میں ہے یعنی اس کی بیعت میں' اور اس کی بیعت کرنے سے شرعی احکامات کو نافذ بھی کیا جائے گا اور لوگ اس پر راضی ہوگئے' پھر رضامندی سے اس کی بیعت کرلی' اب یہ شخص اُس وقت سے خلیفہ متصور ہوگا' جب رضامندی اور اختیار سے اس کی بیعت کی گئی۔ اگرچہ حکومت پر اس نے زبردستی قبضہ کیا تھا۔ شرط رضامندی اور اختیار سے بیعت کرنے کی ہے' چاہے وہ شخص' جس کی بیعت کی گئی' پہلے سے حکمران اور صاحبِ اقتدار ہو یا نہ ہو۔

وہ کون لوگ ہیں جن کی بیعت سے خلافت کا انعقاد ہوتا ہے؟ اس کا علم خلفائے راشدین اور اجماع صحابہؓ کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ ابوبکرؓ کی بیعت میں مدینہ کے مسلمانوں میں سے صرف اہلِ حل وعقد (اصحابِ عقل وبصیرت) پر اکتفاء کیا گیا۔ اہلِ مکہ اور دوسرے جزیرہ نمائے عرب کے مسلمانوں کی رائے نہیں لی گئی' بلکہ ان سے پوچھا بھی نہیں گیا۔ عمرؓ

کی بیعت میں بھی یہی ہوا۔ عثمانؓ کی بیعت میں عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے مدینہ کے مسلمانوں کی رائے لی اور صرف اہلِ حل وعقد کی رائے پر اکتفاء نہیں کیا' جیسا کہ ابوبکرؓ نے عمرؓ کو نامزد کرتے وقت کیا تھا۔ اور علیؓ کی بیعت میں اہلِ مدینہ اور اہلِ کوفہ کی اکثریت کی بیعت پر اکتفاء کیا گیا۔ بیعت میں وہ تنہا تھے' اس لیے ان کی بیعت کا ان کے مخالفین' حتیٰ کہ ان کے ساتھ لڑنے والوں کو بھی اعتبار تھا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کے علاوہ کسی اور کی بیعت کی اور نہ آپ کی بیعت پر کوئی اعتراض کیا' بلکہ صرف عثمانؓ کے خون کا مطالبہ کیا۔ لہٰذا ان کا حکم باغیوں جیسا تھا۔ اس لیے خلیفہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کے سامنے معاملے کی وضاحت کرے اور نہ ماننے والوں سے قتال کرے۔ ان کی کوئی دوسری خلافت نہیں ہوگی۔ یہ سب کچھ' یعنی سوائے علیؓ کی بیعت کے' جس میں انہوں نے اہلِ کوفہ کو بیعت میں شرکت کی اجازت دے دی' باقی تمام خلفاء کی بیعتوں میں دارالخلافہ کے اکثر لوگوں کی رائے کے مطابق بیعت لی گئی۔ یہ صحابہؓ کی آنکھوں کے سامنے ہوا۔ اگرچہ صحابہؓ نے کسی خاص شخص کو خلیفہ بنانے اور اس کے بعض اقدامات کی مخالفت تو کی مگر اہلِ مدینہ کی اکثریت تک اس ''بیعتِ انعقاد'' کو محدود کرنے کا نہ تو انکار کیا اور نہ اس کی مخالفت کی۔ چنانچہ صحابہؓ کا اجماع تھا کہ حکومت کے معاملے میں مسلمانوں کی نمائندگی کرنے والوں کے ذریعے خلافت قائم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اہلِ حل وعقد اور اہلِ مدینہ کی اکثریت ہی اس وقت اسلامی ریاست کی اکثریت کی رائے کی نمائندگی کر رہی تھی۔

چنانچہ جس خلیفہ کی جگہ نئے خلیفہ کے انتخاب کا ارادہ کیا جائے تو پچھلے خلیفہ کے دائرہ اختیار میں شامل امتِ مسلمہ کے نمائندوں کی اکثریت جب اس (نئے امیدوار) کی بیعت کر لے تو خلافت کا معاہدہ مکمل ہو جائے گا۔ جیسے خلفائے راشدین کے دور میں ہوا اور یہ ''بیعتِ انعقاد'' ہوگی۔ البتہ خلیفہ کے تقرر کے بعد باقی افراد سے جو بیعت لی جائے گی' وہ اطاعت کی بیعت ہوگی۔ یعنی خلیفہ کی فرمانبرداری کی بیعت' نہ کہ ''بیعتِ انعقاد''۔ یہ خلیفہ کی موت یا اسے ہٹانے اور اس کی جگہ دوسرا خلیفہ مقرر کرنے کی صورت میں ہوگا۔ مگر جب کوئی خلیفہ سرے سے موجود ہی نہ ہو تو شرعی احکامات کے نفاذ اور دنیا بھر میں اسلامی دعوت کو پھیلانے کے لیے مسلمانوں پر خلیفہ کا قیام

فرض ہوجاتا ہے۔جیسا کہ ۱۳۴۳ھ بمطابق ۱۹۲۴ء میں استنبول (ترکی) میں خلافتِ اسلامیہ کے انہدام سے لے کر آج تک، یعنی ۱۴۲۱ھ، بمطابق ۲۰۰۰ء تک یہ فرض ادا نہیں ہوا۔موجودہ صورتِ حال میں عالمِ اسلام کا ہر ملک اس قابل ہے کہ اس میں کسی خلیفہ کی بیعت کی جائے اور وہاں خلافت قائم کی جائے۔ جب ان ملکوں میں سے کسی ملک کے افراد کسی شخص کی بیعت کرلیں اور اس کی خلافت قائم ہوجائے تو تمام مسلمانوں پر فرض ہوجاتا ہے کہ وہ اس کی ''بیعت اطاعت'' کریں۔یعنی اس کی قیادت کو تسلیم کرنے کی بیعت کریں۔اور یہ اس وقت ہوگا جب اُس ملک کے لوگوں کی بیعت سے اس کی خلافت قائم ہوچکی ہو۔خواہ وہ علاقہ مصر، ترکی اور انڈونیشیا کی طرح بڑا ہو یا البانیہ، اردن اور لبنان کی مانند چھوٹا ہو۔ہاں! شرط یہ ہے کہ وہاں مندرجہ ذیل چار امور پائے جائیں:

اول: اس علاقے کا سلطان (صاحبِ اقتدار شخص) خودمختار ہو۔اس کا اقتدار مسلمانوں کی مدد سے ہو، کسی کافر حکومت یا کسی کافر شخص کا اثر ورسوخ نہ ہو۔

دوئم: اس ملک میں مسلمانوں کی امان (تحفظ) اسلام کی امان سے ہو، نہ کہ کفر کی امان سے۔ یعنی اس علاقے کا داخلی وخارجی تحفظ اسلامی تحفظ ہو، جو صرف مسلمانوں کی قوت کے بل بوتے پر قائم ہو، جو ایک خالص اسلامی طاقت ہے۔

سوئم: وہ ملک فوراً اسلام کے ہمہ گیر اور انقلابی نفاذ کا آغاز کرے اور اسلامی دعوت کی ذمہ داریوں کو ادا کرنا شروع کرے۔

چہارم: جس خلیفہ کی بیعت کی جائے وہ ''شروطِ انعقاد'' پر پورا اترتا ہو۔ اگرچہ ''شروطِ افضلیت'' اس میں موجود نہ بھی ہوں۔کیونکہ زیادہ ضروری ''شروطِ انعقاد'' ہیں۔

جب وہ ملک ان چاروں چیزوں کو پورا کرتا ہے تو صرف اسی ملک کے مسلمانوں کی بیعت کرنے سے خلافت قائم ہوجائے گی۔اگرچہ وہاں کے اکثر اہلِ حل وعقد ملتِ اسلامیہ کی اکثریت کی نمائندگی نہ بھی کرتے ہوں۔کیونکہ خلافت کا قیام فرضِ کفایہ ہے اور جو بھی اس فرض کو بطریقِ احسن سرانجام دے تو امتِ مسلمہ کی طرف سے یہ فرض پورا ہوجائے گا۔مزید برآں یہ کہ

اہلِ حل وعقد کی اکثریت اس وقت شرط ہے جب ایک خلیفہ موجود ہو اور وہ فوت ہو جائے یا معزول کر دیا جائے اور اس کے بعد کسی دوسرے شخص کو خلیفہ بنایا جا رہا ہو۔ البتہ اگر سرے سے خلافت کا وجود ہی نہ ہو اور خلافت قائم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہو تو کسی بھی خلیفہ سے، جو ''شروطِ انعقاد'' پر پورا اترتا ہو، خلافت قائم ہو جائے گی۔ خواہ اس کی بیعت کرنے والوں کی تعداد کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اس وقت ایسے فرض کی ادائیگی کا مسئلہ ہے، جسے مسلمانوں نے تین روز سے زیادہ مدت میں بھی ادا نہیں کیا۔ نیز ان کا اس فرض کے لیے کوشش نہ کرنا درحقیقت اپنے انتخاب کے حق سے دستبردار ہونا ہے۔ لہٰذا جو لوگ اس فرض کی ادائیگی کے لیے کوشش کریں تو وہ خلافت کا معاہدہ مکمل کرنے کے لیے کافی ہیں۔ پس جیسے ہی کسی ملک میں خلافت قائم ہو جائے اور خلیفہ کے ساتھ خلافت کا معاہدہ ہو جائے تو پھر تمام مسلمانوں پر اس خلافت کے جھنڈے تلے جمع ہونا اور اس خلیفہ کی بیعت کرنا فرض ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو پھر وہ اللہ کے نزدیک گنہگار ٹھہریں گے۔ اور اس خلیفہ پر بھی فرض ہے کہ وہ ان کو اپنی بیعت کے لیے دعوت دے۔ اگر وہ اس کی بیعت نہ کریں تو ان پر باغی کے حکم کا اطلاق ہوگا اور خلیفہ پر فرض ہوگا کہ وہ ان سے اس وقت تک قتال کرے جب تک کہ وہ اس کی اطاعت پر راضی نہیں ہو جاتے۔ جب اسی ملک میں یا کسی دوسرے ملک میں پہلے خلیفہ کی بیعت، اور مذکورہ چاروں شرائط پوری کرتے ہوئے شرعی معاہدے کے ذریعے قائم ہونے والی خلافت کے قیام کے بعد، اگر کسی دوسرے خلیفہ کی بیعت کی جائے تو مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس وقت تک اس سے جنگ کریں جب تک کہ وہ پہلے خلیفہ کی بیعت نہیں کرتا۔ اس کی دلیل صحیح مسلم کی وہ روایت ہے جو عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

(وَمَنْ بَايَعَ اِمَامًا فَاَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهٖ وَثَمَرَةَ قَلْبِهٖ ، فَلْيُطِعْهُ اِنِ اسْتَطَاعَ ، فَاِنْ جَآءَ آخَرُ يُنَازِعُهُ فَاضْرِبُوا عُنُقَ الْآخَرِ)

''اور جو شخص کسی امام (خلیفہ) کی بیعت کرے تو اسے اپنے ہاتھ کا معاملہ اور دل کا پھل دے دے (یعنی سب کچھ اس کے حوالہ کر دے)، پھر اسے چاہیے کہ وہ حسبِ استطاعت اس کی

اطاعت بھی کرے۔ اگر کوئی دوسرا شخص آئے اور پہلے خلیفہ سے تنازع کرے تو دوسرے کی گردن اڑادو۔''

اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کو اسلام کے جھنڈے تلے جمع کرنے والا خلیفہ ہی ہے۔ جب خلیفہ موجود ہوگا تو مسلمانوں کی جماعت بھی ہوگی اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مل کر رہنا فرض ہوگا اور ان کے خلاف بغاوت حرام ہوگی۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(مَنْ رَاٰی مِنْ اَمِیرِہٖ شَیئًا یَکْرَھُہٗ فَلیَصْبِرْ عَلَیہِ ' فَاِنَّہٗ مَن فَارَقَ الجَمَاعَۃَ شِبرًا فَمَاتَ اِلَّا مَاتَ مِیتَۃً جَاھِلِیَّۃً)

''جو شخص اپنے امیر کے کسی ناپسندیدہ کام کو دیکھے تو اس پر صبر کرے۔ کیونکہ جس نے بھی جماعت سے بالشت بھر علیحدگی اختیار کی اور اس حالت میں مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

مسلمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(مَن کَرِہَ مِنْ اَمِیرِہٖ شَیئًا فَلیَصْبِرْ عَلَیہِ ' فَاِنَّہٗ لَیْسَ اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ یَخْرُجُ مِنَ السُّلطَانِ شِبرًا ' فَمَاتَ عَلَیہِ ' اِلَّا مَاتَ مِیتَۃً جَاھِلِیَّۃً)

''جس نے اپنے امیر کی کسی چیز کو ناپسند کیا تو لازم ہے کہ وہ اس پر صبر کرے۔ کیونکہ لوگوں میں سے جس نے بھی امیر کی اطاعت سے بالشت برابر بھی خروج کیا اور وہ اس حالت میں مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

ان دونوں احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ جماعت اور حکومت کے ساتھ وفادار رہا جائے۔ غیر مسلموں کو بیعت کا کوئی حق نہیں اور نہ ان کے لیے یہ ضروری ہے۔ کیونکہ یہ اسلام' اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت پر بیعت ہے' اور یہ اسلام' کتاب اور سنت پر ایمان کا تقاضا کرتی ہے۔ غیر مسلموں کو یہ اجازت نہیں کہ وہ حکومت میں شامل ہوں اور نہ یہ جائز ہے کہ وہ حکمرانوں کا انتخاب کریں۔ اس لیے کہ انہیں مسلمانوں پر کوئی غلبہ ہے اور نہ بیعت میں ان کا کوئی حصہ ہے۔

بیعت

بیعت تمام مسلمانوں پر فرض ہے اور ہر مسلمان مرد اور عورت کا حق بھی ہے۔ اس کی فرضیت کی دلیل بے شمار احادیث سے ثابت ہے، جیسا کہ ابن عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

(وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ، مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً)

''اور جو کوئی اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں (خلیفہ کی) بیعت (کا طوق) نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

اور جہاں تک اس کا مسلمانوں کے حق ہونے کا تعلق ہے تو بیعت کی کیفیت خود اس پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ بیعت مسلمانوں کی طرف سے خلیفہ کی ہوتی ہے، خلیفہ کی جانب سے مسلمانوں کی نہیں۔ چنانچہ صحیح احادیث میں مسلمانوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کرنا ثابت ہے۔ بخاری میں عبادہؓ بن الصامت کی روایت ہے:

(بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، فِي الْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ، وَاَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ، وَاَنْ نَّقُوْمَ، اَوْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ حَيْثُمَا كُنَّا لَانَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ)

''ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پسند اور ناپسند (دونوں حالتوں میں) سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی۔ اور اس بات پر کہ ہم اولوالامر کے ساتھ نزاع نہیں کریں گے۔ اور ہم حق کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے، یا حق بات کہہ دیں گے جس حالت میں بھی ہوں گے۔ اور اللہ کے معاملے میں کسی بھی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔''

بخاری میں ایوب نے حفصہ سے اور انہوں نے ام عطیہؓ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتی ہیں:

(بَایَعنَا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ فَقَرَاَ عَلَینَا : ﴿اَنْ لَّا یُشْرِکنَ بِاللّٰہِ شَیئًا﴾ وَنَھَانَا عَنِ النِّیَاحَۃِ ' فَقَبَضَتِ امْرَاَۃٌ مِنَّا یَدَھَا فَقَالَتْ: فُلَانَۃُ اَسْعَدَتْنِیْ وَاَنَا اُرِیدُ اَنْ اَجْزِیَھَا ' فَلَم یَقُل شَیئًا ' فَذَھَبَتْ ثُمَّ رَجَعَتْ)

''ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی تو آپ نے میرے سامنے یہ آیت تلاوت کی: ''وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں'' (الممتحنۃ: ۱۲) اور ہمیں بین کرنے سے منع فرمایا۔ اس دوران ہم میں سے ایک عورت نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور کہا کہ فلاں عورت نے مجھے خوش کیا میں پہلے اس کا بدلہ دینا چاہتی ہوں۔ حضور (ﷺ) نے کچھ بھی نہ فرمایا۔ وہ عورت چلی گئی اور پھر لوٹ کر واپس آئی۔''

بخاریؒ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(ثَلاثَۃٌ لَایُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یَومَ القِیَامَۃِ وَلَا یُزَکِّیھِم وَلَھُم عَذَابٌ اَلِیمٌ : رَجُلٌ عَلٰی فَضْلِ مَآءٍ بِالطَّرِیقِ یَمْنَعُ مِنہُ ابْنَ السَّبِیلِ' وَرَجُلٌ بَایَعَ اِمَامًا لَایُبَایِعُہُ اِلَّا لِدُنیَاہُ' اِنْ اَعطَاہُ مَایُرِیدُ وَفٰی لَہُ ' وَاِلَّا لَمْ یَفِ لَہُ ' وَرَجُلٌ بَایَعَ رَجُلاً بِسِلْعَۃٍ بَعْدَ العَصْرِ' فَحَلَفَ بِاللّٰہِ لَقَد اُعْطِیَ بِھَا کَذَا وَکَذَا فَصَدَّقَہُ فَاَخَذَھَا وَلَمْ یُعطَ بِھَا)

''تین (طرح کے) آدمیوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام کریں گے اور نہ ان کو پاک کریں گے اور ان کے لیے سخت ترین عذاب ہوگا۔ ایک وہ شخص' جو راستے میں زائد پانی پر بیٹھ جائے اور لوگوں کو اس سے منع کرے۔ دوسرا وہ شخص' جو امام کی بیعت صرف اپنی دنیا کی خاطر کرے۔ اگر وہ اسے وہ کچھ دے' جس کا وہ طلب گار ہے' تو اس کی بیعت کو ایفاء کرے' اور اگر وہ اسے نہ دے تو وہ ایفاء نہ کرے۔ تیسرا وہ شخص' جو کسی شخص کو عصر کے بعد سودا دے اور قسم اٹھا کر کہے کہ اسے یہ چیز اتنے میں ملی ہے جبکہ وہ اسے اتنے میں نہ ملی ہو۔ اور لینے والا اس کی بات کو سچ سمجھ کر اس سے وہ سودا خرید لے۔''

اور عبداللہؓ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

(كُنَّا اِذَا بَايَعنَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وآلِهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمعِ وَالطَّاعَةِ يَقُولُ لَنَا فِيمَا اسْتَطَعْتُمْ)

''جب ہم اطاعت اور فرمانبرداری پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کر رہے تھے تو آپ (ﷺ) ہمیں فرما رہے تھے: ''جس کی تمہیں استطاعت ہو۔''

اور بخاریؒ نے جریرؓ بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے:

(بَايَعتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِه وَسَلَّمَ عَلَى السَّمعِ وَالطَّاعَةِ، فَلَقَّنَنِيْ: "فِيمَا اسْتَطَعتُ، وَالنُّصحِ لِكُلِّ مُسلِمٍ")

''میں نے سننے اور ماننے پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی تو آپ (ﷺ) نے مجھے تلقین کی: ''جس کی تمہیں استطاعت ہو اور نصیحت ہر مسلمان کے لیے ہے۔''

اور بخاریؒ نے جنادہؓ بن ابی امیہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا:

(دَخَلْنَا عَلٰى عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ وَهُوَ مَرِيضٌ، فَقُلنَا: اَصْلَحَكَ اللّٰهُ، حَدِّث بِحَدِيثٍ يَنفَعُكَ اللّٰهُ بِهٖ سَمِعْتَهُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِه وَسَلَّمَ، قَالَ: دَعَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِه وَسَلَّم فَبَايَعنَاهُ. فَقَالَ فِيمَا اَخَذَ عَلَينَا اَنْ بَايَعنَا عَلَى السَّمعِ وَالطَّاعَةِ فِي مَنْشَطِنَا وَمَكرَهِنَا، وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا، وَاَثَرَةً عَلَينَا، وَاَنْ لَّا نُنَازِعَ الاَمْرَ اَهلَهُ اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفرًا بَوَاحًا عِنْدَكُم مِّنَ اللّٰهِ فِيهِ بُرْهَانٌ)

''ہم عبادہؓ بن الصامت کے پاس آئے اور وہ بیمار تھے تو ہم نے دعا کی کہ اللہ آپ کو تندرستی عطا فرمائے۔ (پھر ہم نے کہا) ہمیں ایسی حدیث سنائیے جسے آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے نفع عطا فرمائے۔'' انہوں نے کہا: ''ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت دی تو ہم نے آپ (ﷺ) کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ نے ہم سے ان شرائط پر بیعت لی کہ ''ہم پسندیدہ اور ناپسندیدہ کاموں میں، مشکل اور آسانی (کی حالت) میں اور اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دینے کی صورت میں بھی آپ کی اطاعت کریں گے۔

اور ہم کسی حاکم کے ساتھ اس کے منصب میں تنازع نہ کریں گے' مگر جب تک کہ وہ کفرِ بواح (کھلم کھلا کفر) کا ارتکاب نہ کرے' جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلیل ہو۔''

اور خلیفہ کے لیے بیعت مسلمانوں کی طرف سے ہوگی اور وہ ان کا حق ہے۔ وہی بیعت کرتے ہیں اور انہی کی بیعت سے خلیفہ کی خلافت کا معاہدہ مکمل ہوتا ہے۔ بیعت ہاتھ کے مصافحہ یا تحریر سے ہوتی ہے۔ عبداللہ بن دینار بیان کرتے ہیں:

''میں نے اس وقت عبداللہؓ بن عمرؓ کو دیکھا جب لوگوں نے عبدالملک بن مروان کو امیر المؤمنین بنانے پر اتفاق کیا۔ تب عبداللہؓ بن عمرؓ نے یہ تحریر لکھی کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق حسبِ استطاعت امیر المؤمنین' اللہ کے غلام (بندہ)' عبدالملک کی سمع اور اطاعت کا اقرار کرتا ہوں۔''

شرعاً بیعت کسی بھی ذریعے سے کی جاسکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ بیعت بالغ شخص کرے کیونکہ بچوں کی بیعت درست نہیں۔ ابوعقیل زہرہ بن معبد اپنے دادا عبداللہ بن ھشام سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عہد پایا۔ ان کی والدہ زینبؓ بنت حمیدان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائیں اور آپ ﷺ سے کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! اس سے بیعت لیجیے۔'' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہ ابھی چھوٹا ہے۔'' اور آپ ﷺ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کے لیے دعا کی۔''

جہاں تک بیعت کے الفاظ کا تعلق ہے تو اس کے لیے مخصوص الفاظ کی کوئی قید نہیں۔ لیکن خلیفہ کے لیے ضروری ہے کہ اس کے الفاظ کتاب وسنت کی پیروی پر مشتمل ہوں اور بیعت کرنے والے کے الفاظ تنگی وخوشحالی' پسندیدہ اور ناپسندیدہ حالات میں اطاعت وفرمانبرداری پر مشتمل ہوں۔ جب بیعت کرنے والا شخص خلیفہ کی بیعت کرے یا دوسرے مسلمانوں کی بیعت سے خلیفہ کی خلافت قائم ہوجائے تو اب بیعت کرنے والے شخص کی گردن پر بیعت ایک امانت ہے' اور اس کے پاس اس سے انحراف کا کوئی جواز نہیں۔ بیعت سے قبل یہ ایک حق ہے' لیکن یہ حق

جب کسی کو دے دے تو پھر وہ اس کا پابند ہو جاتا ہے۔ اب اگر وہ انحراف کرنا بھی چاہے تو اس کی اجازت نہیں۔ بخاری میں جابرؓ بن عبداللہ کی روایت ہے:

(اَنَّ اَعْـرَابِيًّا بَايَعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَـلَى الْاِسْلَامِ فَاَصَابَهُ وَعْكٌ فَقَالَ : اَقِـلْـنِىْ بَيعَتِى، فَاَبَىٰ، ثُمَّ جَآءَهُ فَقَالَ: اَقِلْنِىْ بَيعَتِى، فَاَبَىٰ، فَخَرَجَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: " اَلمَدِينَةُ كَالكِيرِ تَنفِىْ خَبثَهَا وَتَنْصَعُ طِيبَهَا")

''ایک اعرابی (دیہاتی) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسے بخار ہو گیا تو اس نے کہا: ''میری بیعت واپس کریں۔'' آپ (ﷺ) نے انکار کر دیا۔ وہ دوبارہ آیا اور کہا: ''میری بیعت واپس کر دیجیے۔'' آپ (ﷺ) نے انکار کر دیا۔ وہ نکلا تو آپ (ﷺ) نے فرمایا: ''مدینہ بھٹی کی مانند ہے، خبیث چیزوں کو نکال دیتا ہے اور پاکیزہ اور اچھی چیزوں کو نکھار دیتا ہے۔''

نافع سے منقول ہے انہوں نے کہا مجھ سے ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

(مَن خَلَعَ يَدًا مِّنْ طَاعَةٍ، لَقِىَ اللّٰهَ يَومَ القِيَامَةِ، لَاحُجَّةَ لَهُ)

''جس نے اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی۔''

خلیفہ کی بیعت توڑنا اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لینے کے مترادف ہے۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ جب اُس خلیفہ کی ''بیعتِ انعقاد'' اور ''بیعتِ اطاعت'' سے رجوع کیا جائے، جسے مسلمانوں نے بحیثیتِ خلیفہ قبول کیا ہو اور اسے بیعت دی ہو۔ لیکن جب کوئی شخص کسی خلیفہ کی ابتدائی طور پر بیعت کر لے لیکن اس کی (خلیفہ کی) بیعت مکمل نہ ہو سکی تو اس صورت میں اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیعت سے رجوع کر لے۔ کیونکہ مسلمانوں نے مجموعی طور پر اسے قبول ہی نہیں کیا۔ مذکورہ حدیث میں خلیفہ کی بیعت سے رجوع کرنے سے منع کیا گیا ہے، نہ کہ ایسے شخص کی بیعت سے رجوع کرنے سے منع کیا گیا ہے، جس کی خلافت پایۂ تکمیل تک ہی نہ پہنچی ہو۔

خلیفہ کے لیے شرائط

مندرجہ ذیل سات شرائط خلیفہ کا اہل بننے کے لیے ضروری ہیں اور صرف یہی خلافت کی ''شروطِ انعقاد'' ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی پوری نہ ہو تو وہ شخص خلیفہ نہیں بن سکتا۔ وہ سات شرائط یہ ہیں:

(۱)۔ وہ مسلمان ہو۔ کسی بھی صورت میں کافر خلافت کا اہل نہیں ہوسکتا اور نہ اس کی اطاعت فرض ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلاً﴾ (النساء: ۱۴۱)

''اور اللہ تعالیٰ نے ہرگز کافروں کو مؤمنوں پر کوئی راستہ (اختیار یا غلبہ) نہیں دیا۔''

اور حکومت میں حاکم کو محکوم پر غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ آیت میں لفظ ''لن'' (ہرگز نہیں) جو ابدی نفی کے لیے استعمال ہوتا ہے، درحقیقت اس بات کی حتمی ممانعت (نہی جازم) کے لیے قرینہ ہے، کہ کوئی کافر کبھی حکومت پر مسلط نہ ہو سکے۔ خواہ وہ خلافت کا عہدہ ہو یا اس سے نچلا کوئی اور (حکومتی) عہدہ۔

(۲)۔ وہ مرد ہو۔ عورت کا خلیفہ ہونا کبھی بھی صحیح نہیں ہے۔ یعنی خلیفہ کے لیے مرد ہونا ضروری ہے، عورت نہیں ہوسکتی۔ اس کی دلیل ابوبکرہؓ کی وہ روایت ہے جس کو بخاریؒ نے روایت کیا ہے:

''مجھے رسول اللہ (ﷺ) کے فرمان نے اس وقت فائدہ دیا جب میں اصحابِ جنگِ جمل میں شامل ہو کر عائشہؓ کے ساتھ والے لوگوں کے ہمراہ مل کر جنگ کرنے والا تھا۔ آپؐ نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا جب آپ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ اہلِ فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنی ملکہ بنالیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

(لَن یُّفلِحَ قَومٌ وَّلَّوا اَمرَھُم اِمرَاَۃً)

''وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جو عورت کو اپنا حکمران بنا لے۔''

رسول اللہ ﷺ کا عورت کو حکمران بنانے والی قوم کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ فلاح نہیں پائے گی' دراصل اسے حکمران بنانے کی ممانعت (نہی) ہے۔ کیونکہ یہ بھی طلب ہے اور پیشگوئی میں عورت کو حکمران بنانے والوں کی اس طرح ملامت کی گئی ہے کہ وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ یہ مذمت قطعی ممانعت (نہی جازم) کا قرینہ ہے۔ یہاں عورت کی حکمرانی سے ممانعت ایسی دلیل کے ساتھ کی گئی ہے جس کا قرینہ قطعی ممانعت (نہی جازم) کا تقاضا کرتا ہے۔ چنانچہ عورت کو حکمران بنانا حرام ہے۔ حکومت سے مراد خلافت اور حکومت کے دیگر مناصب ہیں۔ کیونکہ حدیث کا موضوع کسریٰ کی بیٹی کو حکمران بنانا ہے۔ اس لیے یہ حکم اس موضوع کے ساتھ خاص ہے۔ البتہ کسریٰ کی بیٹی کے واقعہ کے ساتھ خاص نہیں۔ مراد یہ ہے کہ اس اَمر کے علاوہ باقی امور پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ یعنی حکومت کے علاوہ باقی مناصب پر اس کے حکم کا اطلاق نہیں ہوتا۔

(۳)۔ وہ بالغ ہو' یہ جائز نہیں کہ وہ بچہ ہو۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو علیؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(رُفِعَ القَلَمُ عَن ثَلاثَۃٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰی یَستَیقِظَ وَعَنِ الصَّبِیِّ حَتّٰی یَکبُرَ وَعَنِ المُبتَلٰی حَتّٰی یَعقِلَ)

''تین افراد سے قلم اٹھا لیا گیا ہے۔ سوئے ہوئے (شخص) سے' جب تک کہ وہ بیدار نہ ہو۔ بچے سے' جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو۔ اور مجنون سے' جب تک کہ اس کی عقل واپس نہ لوٹ آئے۔''

اور جس شخص سے قلم اٹھا لیا جائے (ذمہ داری ہٹا لی گئی) تو وہ اپنے ذاتی اعمال کا بھی ذمہ دار نہیں ہے۔ جب وہ شرعی طور پر مکلّف (ذمہ دار) ہی نہیں ہے تو یہ درست نہیں کہ وہ خلیفہ بن سکے یا اس سے نچلے کسی حکومتی عہدے پر بھی فائز ہو سکے۔ کیونکہ وہ تصرّفات (معاملات کو نمٹانے) کی قدرت ہی نہیں رکھتا۔ اس ضمن میں دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بچے

سے بیعت لینے سے انکار کر دیا۔ آپ ﷺ نے عبداللہ بن ھشامؓ کی بیعت سے انکار کیا اور فرمایا کہ یہ بچہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (هُوَ صَغِيرٌ) ''وہ چھوٹا ہے۔'' جب بچے کی بیعت ہی درست نہیں ہے اور نہ اسے کسی خلیفہ کی بیعت کرنے کی اجازت ہے تو اس کا خود خلیفہ بن جانا بدرجۂ اُولیٰ درست نہیں ہوگا۔

(۴)۔ وہ عاقل ہو، یہ درست نہیں کہ کسی غیر عاقل (مجنون) کو اس منصب پر فائز کیا جائے۔ اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے: (رُفِعَ القَلَمُ عَن ثَلا ثَةٍ) ''تین افراد سے قلم اٹھالیا گیا ہے اور فرمایا: (عَنِ المُبتَلٰی حَتّٰی یَعقِلَ) ''مجنون سے اس کی عقل کے لوٹنے تک۔'' چنانچہ جس سے قلم اٹھالیا جائے وہ مکلّف نہیں رہتا۔ کیونکہ عقل ہی پر تمام شرعی ذمہ داریوں کا دارو مدار ہے اور یہی تصرّفات (معاملات) کی درستی کی بھی شرط ہے۔ اور خلیفہ کا کام ہی حکومت کو چلانا اور تمام شرعی احکامات کو نافذ کرنا ہے۔ پس یہ کسی صورت میں درست نہیں کہ وہ مجنون ہو۔

(۵)۔ وہ عادل ہو۔ فاسق کا خلیفہ ہونا کسی بھی صورت درست نہیں۔ 'عدالت' ''انعقادِ خلافت'' اور ''دوامِ خلافت'' دونوں کے لیے لازمی شرط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے گواہ کے لیے بھی عادل ہونے کی شرط رکھی ہے: (وَاَشهِدُوا ذَوَیْ عَدلٍ مِّنکُم) ''اور اپنے میں سے دو عادل لوگوں کو گواہ بناؤ'' اور جو شخص گواہ سے بھی بڑے مرتبے پر فائز ہو تو اسے بطریقۂ اُولیٰ عادل ہونا چاہیے۔ کیونکہ جب گواہ کے لیے عدالت شرط ہے تو خلیفہ کے لیے تو یہ شرط بدرجۂ اُولیٰ ہے۔

(۶)۔ وہ آزاد ہو۔ کیونکہ غلام اپنے آقا کی ملکیت میں ہوتا ہے۔ وہ خود اپنے معاملات کا بھی مالک نہیں تو دوسروں کے معاملات کا تو بدرجۂ اُولیٰ مالک نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا وہ لوگوں پر حکومت کرنے کا اہل نہیں۔

(۷)۔ وہ خلافت کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے پر قادر ہو۔ کیونکہ بیعت کا یہی تقاضا ہے۔ لہٰذا خلافت کا بوجھ اٹھانے سے عاجز شخص کا خلیفہ ہونا درست نہیں۔

یہ ہیں خلافت کے انعقاد کی شرائط! ان سات شرائط کے علاوہ کوئی بھی شرط انعقاد کی شرط نہیں۔ ممکن ہے وہ افضلیت کی شرط ہو، جبکہ اس کے بارے میں صحیح دلائل موجود ہوں، یا کسی

ایسے شرعی حکم کے ضمن میں بیان ہوئی ہو، جو صحیح دلیل سے ثابت ہو۔ یہ اس لیے کہ کسی شرط کو ''شرطِ انعقاد'' صرف اس صورت میں کہا جا سکتا ہے جب اس شرط کی دلیل قطعی (طلبِ جازم کے ساتھ) ہو۔ تا کہ وہ اس دلیل کے لازمی ہونے کا قرینہ بن سکے۔ اور اگر اس شرط کی دلیل میں قطعی تقاضا (طلبِ جازم) موجود نہ ہو تو اس صورت میں وہ شرط افضلیت کی ہو گی، انعقاد کی نہیں۔ ہم نے ان سات شرائط کے علاوہ کسی شرط کی دلیل کو قطعی (طلبِ جازم کے ساتھ) نہیں پایا۔ لہٰذا صرف یہی شروطِ انعقاد ہیں۔ البتہ ان کے علاوہ جن شرائط کے بارے میں صحیح دلائل موجود ہیں تو وہ صرف شروطِ افضلیت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انعقادِ خلافت کے لیے خلیفہ کا مجتہد ہونا ضروری نہیں، کیونکہ اس بارے میں کوئی صحیح دلیل موجود نہیں۔ علاوہ ازیں خلیفہ کا کام حکومت کرنا ہے، اس لیے اسے مجتہد ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ حکمِ شرعی کے بارے میں پوچھ سکتا ہے اور کسی مجتہد کی تقلید کر کے اس تقلید کی بنیاد پر احکامات ''تبنی'' (اختیار) کر سکتا ہے۔ ہاں! اگر وہ مجتہد ہو تو یہ زیادہ افضل ہے، لیکن لازمی نہیں۔ اگر وہ مجتہد نہیں تو پھر بھی خلیفہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی کوئی شرط نہیں کہ خلیفہ شجاع ہو، یا مفادات کے تحفظ اور رعایا کے معاملات کی تدبیر کے لیے سیاست پر اس کی گہری نظر ہو۔ کیونکہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ملی، اور نہ کسی شرعی حکم کے ضمن میں اس کا تذکرہ ہوا، جو اس کو شروطِ انعقاد کی حیثیت دے سکے۔ البتہ اس کا بہادر اور صاحبِ فہم وبصیرت ہونا بہتر ہے۔ اسی طرح اس کا قریشی ہونا بھی شروطِ انعقاد میں سے نہیں۔ بخاری میں امیر معاویہؓ کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

(اِنَّ هٰـذَاالا مَـرَ فِـی قُـرَیـشٍ لَا یُـعَادِیهِمُ أحَدٌ اِلَّا کَبَّهُ اللّٰهُ عَلٰی وَجْهِهٖ مَا اَقَامُوا الدِّینَ)

''اس وقت تک، جب تک کہ قریش دین کو قائم رکھیں گے، یہ معاملہ (خلافت) ان میں رہے گا۔ اور جو ان سے دشمنی کرے گا اسے اللہ تعالیٰ اوندھے منہ جہنم میں پھینکے گا۔''

اسی طرح بخاری ہی میں ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(لَایَزَالُ ھٰذَالا مَرُ فِی قُرَیشٍ مَا بَقِیَ مِنھُمُ اثْنَانِ)

''یہ معاملہ (خلافت) اس وقت تک قریش میں رہے گا جب تک ان میں دو شخص بھی باقی رہیں گے۔''

یہ اور اس جیسی دوسری احادیث' جن کی سند رسول اللہ ﷺ تک صحیح ہے' اور جن میں بتایا گیا ہے کہ اقتدار قریش کے ہاتھ میں رہے گا' ان احادیث میں خبر کا انداز ہے۔ ان میں سے کسی ایک حدیث کا انداز بھی حکم کا نہیں۔ کسی بھی حدیث میں حکم کا اسلوب نہیں۔ اور خبر اگرچہ حکم (طلب) کا فائدہ دیتی ہے لیکن اسے قطعی (طلبِ جازم) نہیں سمجھا جاتا' جب تک کہ کوئی ایسا قرینہ نہ ہو' جو حکم میں تاکید (جزم) کا فائدہ دیتا ہو۔ چنانچہ ان احادیث میں کوئی ایسا قرینہ نہیں اور کسی بھی ایک صحیح حدیث میں نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ مندوب ہے فرض نہیں۔ چنانچہ یہ افضلیت کی شرط ہے' انعقاد کی نہیں۔ جہاں تک نبی ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ: (**لَایُعَادِیھِم اَحَدٌ اِلَّا کَبَّہُ اللّٰہُ**)'' جو بھی ان سے دشمنی کرے گا' اللہ اسے اوندھے منہ جہنم میں پھینکے گا۔'' اس میں آپ ﷺ نے قریش کے ساتھ دشمنی سے منع کیا ہے اور یہ پہلی بات یعنی ''یہ معاملہ قریش میں ہے'' کی تاکید نہیں۔ پس ان احادیث کی رُو سے حکومت قریش میں بھی ہے اور اس کے ساتھ دشمنی کرنے کی ممانعت بھی ہے۔ اور لفظ قریش اسم ہے صفت نہیں۔ اصول کی اصطلاح میں اسے ''لقب'' کہا جاتا ہے۔ اسم یعنی لقب کے مفہوم پر کسی بھی صورت عمل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اسم لقب کا کوئی مفہوم ہی نہیں ہوتا۔ اس لیے قریش میں خلافت ہونے کے بارے میں نص کا یہ مطلب نہیں کہ یہ قریش کے علاوہ کسی دوسرے میں قائم نہیں ہو سکتی۔ نبی ﷺ کے فرمان: (**اِنَّ ھٰذَالا مَرَ فِیْ قُرَیشٍ' لَایَزَالُ ھٰذَالا مَرُ فِی قُرَیشٍ**) ''یہ معاملہ قریش میں ہے'' ''اور یہ معاملہ قریش میں رہے گا'' کا یہ مطلب نہیں کہ یہ حکومت کا معاملہ قریش کے علاوہ کسی اور میں ہونا درست نہیں۔ اس معاملے کا قریش میں رہنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ان کے علاوہ خلیفہ کا کسی اور سے ہونا جائز نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ خلافت ان میں رہے گی اور یہ بھی درست ہے کہ وہ ان کے علاوہ کسی اور میں بھی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا یہ قول کہ'' خلافت ان میں ہے۔'' دوسروں میں خلافت کے ہونے کی

ممانعت نہیں کرتی۔ چنانچہ یہ شرط بھی افضلیت کی ہے انعقاد کی نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے عبدالرحمٰنؓ بن رواحہ، زیدؓ بن حارثہ اور اسامہؓ بن زیدؓ کو امارت سونپی تو یہ سبھی لوگ قریش میں سے نہیں تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غیر قریشی کو امیر بنایا۔ ''هَـذَا الاَمرُ'' یعنی یہ معاملہ کے الفاظ کا مطلب امارت بھی ہوسکتا ہے اور یہ صرف خلافت ہی پر دلالت نہیں کرتا۔ جب نبی ﷺ نے غیر قریشی کو امارت سونپی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امارت صرف انہی میں محصور نہیں ہے اور نہ باقی لوگوں کو اس سے محروم کیا گیا ہے۔ اور بخاریؒ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

(اِسْمَعُوْا وَاَطِیعُوا وَاِن استُعْمِلَ عَلَیکُمْ عَبْدٌ حَبَشِیٌّ ، کَأَنَّ رَأسَهُ زَبِیبَةٌ)

''سنو اور اطاعت کرو اگرچہ کسی حبشی غلام کو تم پر عامل مقرر کر دیا جائے جس کا سر کشمش کی طرح کا ہو۔''

مسلمؒ نے ابوذرؓ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ''میرے محبوب ﷺ نے مجھے وصیت کی ہے کہ میں (امیر کی) اطاعت کروں چاہے وہ باز و اور ٹانگوں سے شل غلام ہی کیوں نہ ہو۔'' حدیث یوں ہے:

(اِنَّ خَـلِیْلِی ﷺ اَوصَـانِـیْ اَن اَسـمَـعَ وَاُطِیـعَ ، وَاِن کَانَ عَبْدًا مُجدَعَ الْاَطْرَافِ)

اور دوسری روایت میں ہے:

(اِن اُمِـرَ عَـلَیـکُـم عَبـدٌ مُجدَّعٌ اَسْوَدٌ یَقُودُ کُمْ بِکِتَابِ اللّٰهِ فَاسمَعُوا لَهُ وَاَطِیعُوا)

''اگر نکٹا سیاہ فام غلام بھی تم پر امیر مقرر کر دیا جائے جو اللہ کی کتاب کے ذریعے تمہاری رہنمائی کرے تو اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔''

یہ احادیث اس بارے میں واضح ہیں کہ ایک سیاہ فام غلام کو مسلمانوں کا حکمران بنانا جائز ہے۔ چنانچہ یہ احادیث اس بات پر واضح دلالت کرتی ہیں کہ خلافت اور مسلمانوں کی حکومت

قریش' بلکہ عرب کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی دی جاسکتی ہے۔ یہ محولہ بالا احادیث خلافت کے لیے بعض افراد کی افضلیت پر دلالت کرتی ہیں تو ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خلافت صرف انہی میں محصور ہے' باقی اور لوگوں میں خلافت کے قیام کی اجازت نہیں۔ اور اسی طرح یہ بھی شرط نہیں کہ خلیفہ ہاشمی یا علوی (علیؓ کی اولاد میں سے) ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو ہاشم اور بنو علی کے علاوہ باقی لوگوں کو بھی حکومت کی ذمہ داری سونپی تھی۔ جب آپ ﷺ تبوک روانہ ہوئے تو آپ ﷺ نے مدینہ پر محمدؓ بن سلمہ کو حاکم بنایا حالانکہ وہ ہاشمی تھے نہ علوی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے یمن میں معاذؓ بن جبل اور عمروؓ بن العاص کو والی بنایا' وہ دونوں بھی ہاشمی یا علوی نہیں تھے۔ اور قطعی دلیل سے یہ بات ثابت ہے کہ مسلمانوں نے ابوبکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ کی بیعت کی' اور علیؓ نے بھی ان میں سے ہر ایک کی بیعت کی' باوجود یکہ یہ سب بنو ہاشم میں سے نہ تھے۔ اور تمام صحابہؓ بھی اس بات پر خاموش رہے۔ کسی بھی صحابی کے بارے میں یہ منقول نہیں کہ انہوں نے فقط اس وجہ سے ان کی بیعت سے انکار کیا ہو کہ وہ ہاشمی اور علوی نہیں ہیں۔ پس یہ صحابہؓ کا اجماع تھا کہ خلیفہ غیر ہاشمی اور غیر علوی بھی ہوسکتا ہے۔ ان صحابہؓ میں علیؓ' عباسؓ اور تمام بنو ہاشم بھی شامل تھے۔ جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جو سیدنا علیؓ اور اہلِ بیت کی افضلیت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں' تو وہ صرف ان کی افضلیت پر دلالت کرتی ہیں' نہ کہ انعقادِ خلافت کی شرط پر' کہ خلیفہ صرف انہی میں سے ہوسکتا ہے۔

یہاں یہ بات واضح ہوگئی کہ سابقہ سات شروطِ انعقاد کے علاوہ کسی دوسری شرط کے لیے کوئی دلیل موجود نہیں۔ ان کے علاوہ باقی تمام شرائط اگر صحیح دلائل سے ثابت ہوں یا صحیح دلائل سے ثابت شدہ احکامات کے ضمن میں بیان ہوں تو وہ شروطِ افضلیت تو بن سکتی ہیں' نہ کہ شروطِ انعقاد۔ خلیفہ کے لیے شروطِ انعقاد کا پایا جانا شرعاً لازمی ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ خلافت کے امیدواروں میں سے افضل کا انتخاب کرلیں۔ لیکن وہ جس شخص کو بھی منتخب کرلیں تو وہ خلیفہ ہوگا۔ اگرچہ اس میں صرف شروطِ انعقاد ہی پائی جائیں۔ بے شک ان کے علاوہ کوئی بھی اور شرط نہ پائی جاتی ہو۔

خلافت کے لیے امیدوار بننا

خلافت کا امیدوار بننا اور اس کے لیے مقابلہ کرنا تمام مسلمانوں کے لیے جائز ہے اور یہ مکروہ بھی نہیں۔ خلافت کے لیے مقابلہ کرنے کی ممانعت میں کوئی دلیل نہیں۔ یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے بستر پر بغیر تدفین کے لٹایا گیا اور مسلمان سقیفہ بنو ساعدہ میں خلافت کے مسئلے پر بحث مباحثہ کرتے رہے۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ چھ اصحابِ شوریٰ' جو اکابر صحابہؓ میں سے تھے' تمام صحابہؓ کے سامنے خلافت کے لیے (ایک دوسرے کے مقابلے میں) کھڑے ہو گئے۔ اور صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے بھی ان کی مذمت نہیں کی' اور اس بحث میں ان سے اتفاق کیا۔ یہ اَمر خلافت کے حصول کے لیے مقابلے کے (جواز کے بارے میں) اجماعِ صحابہؓ پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس بات پر بھی' کہ خلافت کا امیدوار بھی بنا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے جستجو بھی کی جا سکتی ہے' نیز اس کے حصول کی خاطر ایک دوسرے کی رائے کا جواب دینا اور دلائل پیش کرنا بھی جائز ہے۔ اور احادیث میں امارت طلب کرنے سے جو ممانعت آئی ہے' وہ ابوذر غفاریؓ جیسے کمزور لوگوں کے بارے میں ہے' جو اس کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں۔ جو لوگ امارت کی صلاحیت رکھتے ہیں تو ان کے لیے امارت طلب کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ عمروؓ بن العاص نے خود رسول اللہ ﷺ سے اس کا مطالبہ کیا تھا اور آپ ﷺ نے انہیں والی بنایا۔ چنانچہ اس (مطالبہ سے ممانعت) کے بارے میں جتنی بھی احادیث ملتی ہیں' وہ ایسے افراد کے ساتھ مخصوص ہیں' جو اس کے اہل نہیں۔ خواہ یہ خلافت ہو یا امارت۔ جو شخص اس (حکومت) کا اہل تھا' رسول اللہ ﷺ نے اس کے مطالبے پر انکار نہیں کیا' بلکہ اسے حاکم بنا دیا۔ جب دونوں طرح کی احادیث ملتی ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک طرف تو مطالبہ کرنے پر امارت دے دی اور دوسری طرف امارت طلب کرنے پر

منع فرمایا تو معلوم ہوا کہ ممانعت عام نہیں، بلکہ اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ یہ اُن لوگوں کے لیے ہے جو اس کے اہل نہیں۔

وحدتِ خلافت

دنیا میں مسلمانوں کے لیے ایک سے زیادہ خلفاء کا ہونا جائز نہیں۔عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص سے منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

(وَمَنْ بَايَعَ اِمَامًا فَاَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهٖ وَثَمَرَةَ قَلْبِهٖ ، فَلْيُطِعْهُ اِن استَطَاعَ ، فَاِنْ جَآءَ آخَرُ يُنَازِعهُ فَاضرِبُوا عُنُقَ الآخَرِ)

"اور جو شخص کسی امام (خلیفہ) کی بیعت کرے تو اسے اپنے ہاتھ کا معاملہ اور دل کا پھل دے دے (یعنی سب کچھ اس کے حوالہ کردے)، پھر اسے چاہیے کہ وہ حسبِ استطاعت اس کی اطاعت بھی کرے۔اگر کوئی دوسرا شخص آئے اور پہلے خلیفہ سے تنازع کرے تو دوسرے کی گردن اڑادو۔"

اسی طرح صحیح مسلم میں ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(اِذَا بُوْيِعَ لِلْخَلِيْفَتَيْنِ، فَاقْتُلُوا الْاٰخَرَ مِنْهُمَا)

"جب دو خلفاء کے لیے بیعت کی جائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کردو۔"

مسلم میں عرفجہؓ سے بھی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

(مَنْ أَتَاكُمْ ، وَأَمْرُكُمْ جَمِيْعٌ ، عَلٰى رَجُلٍ وَّا حِدٍ ، يُرِيْدُ أَنْ يَّشُقَّ عَصَاكُمْ ، أَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ ، فَاقْتُلُوْهُ)

"تم کسی ایک شخص پر متفق ہو اور کوئی شخص تمہاری صفوں میں رخنہ ڈالنا چاہے یا تمہاری

جماعت میں تفرقہ ڈالے تو اسے قتل کر دو۔''

اور اسی طرح مسلمؒ نے ابو حازم سے روایت کیا ہے کہ میں پانچ سال تک ابو ہریرۃؓ کی صحبت میں رہا اور میں نے انہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بیان کرتے ہوئے سنا' آپ ﷺ نے فرمایا:

(كَانَتْ بَنُوْ اِسرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الاَنبِيَاءُ ' كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ ' وَاِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعدِی ' وَسَتَكُونُ خُلَفَاءُ فَتَكثُرُ ' قَالُوا: فَمَا تَأمُرُنَا؟ قَالَ: فُوْا بِبَيْعَةِ الاَوَّلِ فَالاَوَّلِ ' وَاعْطُوهُم حَقَّهُم ' فَاِنَّ اللّٰهَ سَائِلُهُم عَمَّا اسْتَرعَا هُمْ)

''بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے۔ جب کوئی نبی وفات پاتا تو دوسرا نبی اس کی جگہ لے لیتا' جبکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے' بلکہ بڑی کثرت سے خلفاء ہوں گے۔ صحابہؓ نے پوچھا: آپ (ﷺ) ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''تم ایک کے بعد دوسرے کی بیعت کو پورا کرو اور انہیں ان کا حق ادا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعایا کے بارے میں پوچھے گا' جو اُس نے انہیں دی۔''

اگر دو مختلف ملکوں میں ایک ہی وقت میں دو خلفاء کی علیحدہ علیحدہ خلافت قائم کی جائے تو وہ دونوں کے لیے صحیح نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ کسی بھی صورت جائز نہیں کہ مسلمانوں کے دو خلفاء ہوں۔ یہاں یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں سے سبقت لینے والے کی بیعت کی جائے۔ کیونکہ مسئلہ خلافت کا ہے' خلافت کے لیے ایک دوڑ کا نہیں۔ اور اس لیے بھی کہ یہ تمام مسلمانوں کا حق ہے' خلیفہ کا نہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ معاملہ دوبارہ مسلمانوں کی طرف لوٹا دیا جائے تاکہ وہ دو کی جگہ ایک خلیفہ کا انتخاب کر سکیں۔ اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے کیونکہ خلافت ایک عقد (معاہدہ) ہے اور قرعہ اندازی کا معاہدات سے کوئی تعلق نہیں۔ اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان: (فُوا بِبَيْعَةِ الاَوَّلِ فَالاَوَّلِ) ''ایک کے بعد دوسرے کی بیعت کو وفا کرو۔'' کی طرف رجوع کیا جائے۔ کیونکہ خلیفہ کی موجودگی میں کسی اور شخص کو خلیفہ کی بیعت دی جائے تو بیعت صرف پہلے کی ہوگی' جس کی بیعت کا معاہدہ پہلے ہی مکمل ہو چکا

تھا۔ اور بعد میں آنے والے کی بیعت بطورِ معاہدہ شرعًا واقع نہیں ہوگی۔ یہاں اس صورت کی بات ہورہی ہے کہ جب اہلِ حل وعقد ایک ہی وقت میں دو خلفاء کی بیعت کرلیں اور اس بیعت میں تمام شرعی تقاضے بھی پورے ہورہے ہوں۔ اب دونوں کو ختم کرکے لازماً مسلمانوں کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اگر وہ ان میں سے کسی ایک کی بیعت کرلیں تو اس کی خلافت قائم ہو جائے گی۔ کیونکہ حکومت کا معاملہ تمام مسلمانوں کا معاملہ ہے' نہ کہ صرف ان لوگوں کا' جو اس کو حاصل کرنے کے لیے مدّ مقابل ہوں۔ جب دو خلفاء کی بیعت کی جائے اور اہلِ حل وعقد کی اکثریت خلافت وحکومت کے معاملے میں ایک طرف ہو اور انہوں ہی نے اس کی بیعت کی ہو اور دوسرے خلیفہ کی بیعت کرنے والے تعداد میں کم ہوں تو اس صورت میں بیعت اسی کی معتبر ہوگی' جس کی حکومت پر اہلِ حل وعقد کی اکثریت بیعت کرے۔ خواہ اس کی بیعت پہلے کی گئی ہو یا بعد میں۔ کیونکہ شرعی طور پر اسے ہی خلیفہ سمجھا جائے گا جسے اہلِ حل وعقد کی اکثریت نے بیعت دی ہو۔ ان کے علاوہ باقی افراد (جن کی بیعت کی گئی تھی) پر لازم ہے کہ وہ وحدتِ خلافت کی خاطر اس کی بیعت کرلیں۔ ورنہ مسلمان اس سے قتال کریں گے۔ کیونکہ بیعت کا انعقاد تب ہی مکمل ہوتا ہے جب مسلمانوں کی اکثریت بیعت کرے۔ پس کسی مسلمان کے لیے اس قسم کی بیعت کی جائے تو وہ خلیفہ بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی بھی دوسرے شخص کی بیعت حرام ہوتی ہے۔ نیز تمام مسلمانوں پر اس پہلے شخص کی اطاعت بھی فرض ہو جاتی ہے۔

درحقیقت اہلِ حل وعقد اور وہ لوگ' جن کے ہاتھوں میں حکومتی معاملات ہوتے ہیں' عموماً دارالخلافۃ ہی میں ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہیں اعلیٰ سطح کے حکومتی معاملات کے فیصلے ہوتے ہیں۔ جب دارالخلافۃ کے اہلِ حل وعقد کسی شخص کی بیعت کرلیں اور کسی ایک صوبے والے لوگ یا کئی صوبوں کے لوگ دوسرے خلیفہ کی بیعت کریں' نیز دارالخلافۃ کے خلیفہ کی بیعت پہلے ہو تو وہی خلیفہ متصور ہوگا۔ کیونکہ دارالخلافۃ والوں کی بیعت اس بات کا قرینہ ہے کہ اہلِ حل وعقد کی اکثریت اس کے ساتھ ہے اور اسی کی بیعت معتبر ہوگی۔ البتہ جب صوبوں میں خلیفہ پہلے چن لیا جائے تو اس صورت میں اسے ترجیح دی جائے گی جس کی طرف اہلِ حل وعقد کی اکثریت ہو۔ کیونکہ صوبوں

کے لوگوں کے سبقت لے جانے سے یہ قرینہ کمزور ہو جاتا ہے کہ دارالخلافۃ والے خلیفہ کے ساتھ اہلِ حل وعقد کی اکثریت ہے۔ بہرحال ایک سے زیادہ خلیفہ کا ہونا جائز نہیں؛ اگرچہ اس کے لیے اُن لوگوں سے قتال ہی کیوں نہ کرنا پڑے؛ جن کی خلافت کا معاہدہ شرعاً واقع نہ ہوا ہو۔

ولی عہد یا جانشینی

کسی کو ولی عہد یا جانشین بنانے سے اس کی خلافت قائم نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ مسلمانوں اور خلیفہ کے درمیان ایک معاہدہ ہے۔ مسلمانوں کی بیعت کرنا اور جس شخص کی وہ بیعت کریں' اسکا اسے قبول کرنا' اس معاہدے کی لازمی شرائط ہیں۔ کسی کو اپنا ولی عہد یا جانشین نامزد کرنے سے یہ شرط پوری نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس سے خلافت قائم نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح خلیفہ کا اپنے بعد دوسرے کو خلیفہ مقرر کرنے سے خلافت کا معاہدہ وقوع پذیر نہیں ہوتا۔ اسے خلافت کا معاہدہ کرنے کا حق ہی نہیں کیونکہ یہ مسلمانوں کا حق ہے' خلیفہ کا نہیں۔ انہیں اختیار ہے کہ جس سے چاہیں' خلافت کا معاہدہ کریں۔ چنانچہ اپنا خلیفہ یا ولی عہد مقرر کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ ایسی چیز کو دینا ہے جس کا یہ مالک ہی نہیں۔ اور کسی بھی شخص کے لیے ایسی چیز کو دینا' جو اس کی ملکیت میں نہ ہو' جائز نہیں۔ اس لیے ایک خلیفہ کے لیے دوسرے شخص کو اپنا خلیفہ بنانا' خواہ وہ اس کا بیٹا ہو یا قریبی رشتہ دار یا کوئی اور شخص' قطعاً جائز نہیں' اور نہ اس سے خلافت قائم ہوسکتی ہے۔ کیونکہ یہ عقد اس کی طرف سے ہوا ہی نہیں جو اِس حق کا مالک ہے۔ لہٰذا ایسا عقد ''عقدِ فضولی'' ہے جو درست نہیں۔ جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ ابوبکرؓ نے عمرؓ کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کیا اور عمرؓ نے اپنے بعد چھ افراد کو مقرر کیا اور تمام صحابہؓ خاموش رہے اور انہوں نے اس کی مذمت بھی نہیں کی' اور یہ سکوت ان کا اجماع (اجماعِ سکوتی) تھا' تو یہ جانشین مقرر کرنے (کے جواز) کی کوئی دلیل نہیں۔ اس لیے کہ ابوبکرؓ نے بذاتِ خود اپنے بعد خلیفہ مقرر نہیں کیا' بلکہ مسلمانوں سے مشورہ کیا کہ ان کا خلیفہ کون ہوگا؟ پھر (اس کے نتیجے میں) ابوبکرؓ نے علیؓ اور عمرؓ کو نامزد کر دیا۔ اس کے بعد لوگوں نے ابوبکرؓ کی زندگی ہی میں تین ماہ کے دوران اکثریت کے ساتھ عمرؓ کو منتخب کر لیا۔ پھر لوگوں نے ابوبکرؓ کی وفات کے بعد عمرؓ کی بیعت

کی، تب جا کر عمرؓ کی خلافت قائم ہوئی۔ بیعت سے پہلے عمرؓ خلیفہ نہیں تھے اور نہ ابوبکرؓ کی نامزدگی اور مسلمانوں کے انتخاب سے ان کی خلافت قائم ہوئی تھی۔ بلکہ یہ خلافت اس وقت قائم ہوئی تھی جب مسلمانوں نے اس کی بیعت کی اور عمرؓ نے اسے قبول کیا۔ اور عمرؓ نے جن چھ افراد کو مقرر کیا تھا تو وہ مسلمانوں کی درخواست پر کیا تھا۔ پھر علیؓ کو اس شرط پر خلیفہ منتخب کیا کہ وہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے طریقے پر کاربند رہیں گے، بصورتِ دیگر (علیؓ کے انکار کی صورت میں) عثمانؓ خلیفہ بنیں گے۔ جب علیؓ نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کے طریقے پر کاربند رہنے کی پابندی کو قبول کرنے سے معذرت کی تو عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے عثمان کی (اسی شرط پر) بیعت کر لی۔ چنانچہ دوسرے لوگوں نے بھی پھر ان کی بیعت کی۔ یوں عثمانؓ کی خلافت لوگوں کی بیعت سے قائم ہوئی، نہ کہ عمرؓ کی نامزدگی سے، اور نہ لوگوں کے انتخاب سے۔ اور اگر لوگ ان کی بیعت نہ کرتے یا عثمانؓ اس کو قبول نہ کرتے تو ان کی خلافت بھی قائم نہ ہوتی۔ چنانچہ خلیفہ کے لیے مسلمانوں کی بیعت ضروری ہے اور خلافت ولی عہد یا جانشین مقرر کرنے سے قائم نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یہ عقد الولایۃ (حکومت کرنے کا معاہدہ) ہے اور اس پر دیگر شرعی معاہدات کی طرح معاہدے کے شرعی احکامات کا اطلاق ہوتا ہے۔

خلیفہ کے تقرر کا طریقہ

جب شریعت نے امت پر فرض کیا کہ وہ اپنے اوپر ایک خلیفہ مقرر کرے تو اس کے لیے وہ طریقۂ کار بھی متعین کیا جس کے ذریعے سے خلیفہ کو مقرر کیا جائے گا۔ یہ طریقۂ کار قرآن وسنت اور اجماعِ صحابہؓ سے ثابت ہے اور یہ طریقہ بیعت کا طریقہ ہے۔ خلیفہ کا تقرر مسلمانوں کی کتاب و سنت پر اس کی بیعت کرنے سے ہوگا۔ جہاں تک بیعت کے طریقۂ کار کا تعلق ہے تو اس کا ثبوت یہ ہے کہ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی اور آپ ﷺ نے امام کی بیعت کا حکم دیا۔ مسلمانوں کی رسول اللہ ﷺ کی بیعت نبوت پر بیعت نہ تھی، بلکہ یہ حکومت پر بیعت تھی۔ کیونکہ یہ عمل کی بیعت تھی ایمان کی نہیں۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی بیعت بطورِ حاکم کی گئی، نہ کہ بطورِ نبی اور رسول۔ اس لیے کہ نبوت ورسالت کا اقرار ایمان ہے، بیعت نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی بیعت فقط مملکت کے حاکم کی حیثیت سے کی گئی۔ بیعت کا ذکر قرآن وحدیث میں یوں آیا ہے:

﴿يَاأَيُّهَاالنَّبِيُّ اِذَا جَآءَ كَ الْمُؤمِنَاتُ يُبَايِعنَكَ عَلٰى اَنْ لَّا يُشرِكْنَ بِااللّٰهِ شَيئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهتَانٍ يَّفتَرِيْنَهُ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعصِينَكَ فِيْ مَعْرُوفٍ فَبَايِعهُنَّ﴾ (الممتحنة: ۱۲)

''اے نبی (ﷺ)! جب آپ کے پاس مؤمن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کے لیے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی۔ چوری کریں گی نہ زنا کریں گی۔ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھوں اور ٹانگوں کے درمیان (اپنی طرف) سے بہتان تراشیں گی۔ اور نہ نیک کاموں میں آپ کی نافرمانی کریں گی، تو آپ ان سے بیعت لے لیجیے۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الَّذِینَ یُبَایِعُونَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُونَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ﴾

''جو لوگ آپ (ﷺ) کی بیعت کرتے ہیں وہ (دراصل) اللہ کی بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔'' (الفتح:۱۰)

بخاریؒ نے اسماعیلؒ سے، انہوں نے مالکؒ سے اور انہوں نے یحییٰ بن سعیدؒ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے عبادۃ بن الولیدؒ نے بتایا کہ میرے والد نے عبادہؓ بن الصامت کے واسطے سے بتایا۔ وہ فرماتے ہیں:

(بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ، فِی الْمَنْشَطِ وَالْمَکْرَہِ، وَاَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَھْلَہُ، وَاَنْ نَّقُوْمَ، اَوْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ حَیْثُمَا کُنَّا لَانَخَافُ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ)

''ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پسند اور ناپسند (دونوں حالتوں میں) سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی۔ اور اس بات پر کہ ہم اولوالامر کے ساتھ نزاع نہیں کریں گے۔ اور ہم حق کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے، یا حق بات کہہ دیں گے جس حالت میں بھی ہوں گے۔ اور اللہ کے معاملے میں کسی بھی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔''

اور بخاریؒ نے علی بن عبداللہؒ سے، انہوں نے عبداللہ بن یزیدؒ اور انہوں نے سعید بن ابوایوبؒ سے، انہوں نے ابوعقیل زہرہ بن معبدؒ سے اور انہوں نے اپنے دادا عبداللہؓ بن ھشام سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کا زمانہ پایا۔ انہیں ان کی والدہ زینبؓ بنت حمید رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر آئیں اور کہا:

(یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ! بَایِعْہُ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: ''ھُوَ صَغِیْرٌ'' فَمَسَحَ رَأْسَہُ وَدَعَالَہُ)

''اے اللہ کے رسول (ﷺ)! اس کی بیعت لیجیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ چھوٹا ہے'' اور آپ (ﷺ) نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کے لیے دعا کی۔''

اسی طرح بخاریؒ ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ ہمیں عبدانؒ نے ابوحمزہؒ سے بیان کیا کہ انہوں نے اعمشؒ سے، انہوں نے ابوصالح سے اور انہوں نے ابو ہریرہؓ سے بیان کیا۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(ثَلاثَۃٌ لَایُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یومَ القِیَامَۃِ وَلَا یُزَکِّیھِم وَلَھُم عَذَابٌ اَلِیمٌ : رَجُلٌ عَلٰی فَضْلِ مَآءٍ بِالطَّرِیقِ یَمْنَعُ مِنہُ ابْنَ السَّبِیلِ، وَرَجُلٌ بَایَعَ اِمَامًا لَایُبَایِعُہُ اِلَّا لِدُنیَاہُ، اِنْ اَعطَاہُ مَایُرِیدُ وَفّٰی لَہُ، وَاِلَّا لَمْ یَفِ لَہُ، وَرَجُلٌ بَایَعَ رَجُلاً بِسِلْعَۃٍ بَعْدَ العَصْرِ، فَحَلَفَ بِاللّٰہِ لَقَد اُعْطِیَ بِھَا کَذَا وَکَذَا فَصَدَّقَہُ فَاَخَذَھَا وَلَمْ یُعطَ بِھَا)

''تین (طرح کے) آدمیوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام کریں گے اور نہ ان کو پاک کریں گے اور ان کے لیے سخت ترین عذاب ہوگا۔ ایک وہ شخص، جو راستے میں زائد پانی پر بیٹھ جائے اور لوگوں کو اس سے منع کرے۔ دوسرا وہ شخص، جو امام کی بیعت صرف اپنی دنیا کی خاطر کرے۔ اگر وہ اسے وہ کچھ دے، جس کا وہ طلب گار ہے، تو اس کی بیعت کو ایفاء کرے، اور اگر وہ اسے نہ دے تو وہ ایفاء نہ کرے۔ تیسرا وہ شخص، جو کسی شخص کو عصر کے بعد سودا دے اور قسم اٹھا کر کہے کہ اسے یہ چیز اتنے میں ملی ہے جبکہ وہ اسے اتنے میں نہ ملی ہو۔ اور لینے والا اس کی بات کو سچ سمجھ کر اس سے وہ سودا خرید لے۔''

یہ تینوں احادیث اس بارے میں واضح ہیں کہ خلیفہ کو مقرر کرنے کا طریقہ صرف بیعت ہے۔ عبادہؓ کی حدیث، جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی، وہ حاکمِ وقت کے لیے تھی۔ اور عبداللہؓ بن ھشام کی حدیث کے مطابق آپ ﷺ نے ان کے نابالغ ہونے کی وجہ سے ان کی بیعت لینے سے انکار کیا۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حکومت کی بیعت تھی۔ ابو ہریرہؓ کی حدیث امام کی بیعت کے بارے میں نہایت واضح ہے اور اس میں امام کا لفظ بطورِ نکرہ استعمال ہوا ہے یعنی کوئی بھی امام۔ اس کے علاوہ بھی کئی احادیث ہیں جو امام (خلیفہ) کی بیعت پر دلالت کرتی ہیں۔ صحیح مسلم میں عبداللہؓ ابن عمروؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

(وَمَنْ بَايَعَ اِمَامًا فَاَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهٖ وَثَمَرَةَ قَلْبِهٖ ، فَلْيُطِعْهُ اِن استَطَاعَ ، فَاِنْ جَآءَ آخَرُ يُنَازِعهُ فَاضرِبُوا عُنُقَ الآخَرِ)

''اور جو شخص کسی امام (خلیفہ) کی بیعت کرے تو اسے اپنے ہاتھ کا معاملہ اور دل کا پھل دے دے (یعنی سب کچھ اس کے حوالہ کر دے)' پھر اسے چاہیے کہ وہ حسبِ استطاعت اس کی اطاعت بھی کرے۔ اگر کوئی دوسرا شخص آئے اور پہلے خلیفہ سے تنازع کرے تو دوسرے کی گردن اڑا دو۔''

اور مسلم ہی میں ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے' کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(اِذَا بُوْيِعَ لِلْخَلِيْفَتَيْنِ ، فَاقْتُلُوا الْاٰخَرَ مِنْهُمَا)

''جب دو خلفاء کے لیے بیعت کی جائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کر دو۔''

اور مسلمؒ نے ابوحازمؒ سے بیان کیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ میں پانچ سال تک ابوہریرہؓ کے پاس رہا۔ میں نے سنا کہ وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے تھے کہ:

(كَانَتْ بَنُوْ اِسرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الاَنبِيَاءُ ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ ، وَاِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعدِی ، وَسَتَكُونُ خُلَفَاءُ فَتَكثُرُ ، قَالُوا: فَمَا تَأمُرُنَا؟ قَالَ: فُوْا بِبَيْعَةِ الاَوَّلِ فَالاَوَّلِ)

''بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے۔ جب کوئی نبی وفات پاتا تو دوسرا نبی اس کی جگہ لے لیتا' جبکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے' بلکہ بڑی کثرت سے خلفاء ہوں گے۔ صحابہؓ نے پوچھا: آپ (ﷺ) ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''تم ایک کے بعد دوسرے کی بیعت کو پورا کرو۔''

کتاب وسنت کے دلائل اس بارے میں نہایت واضح ہیں کہ خلیفہ کو مقرر کرنے کا طریقہ صرف بیعت ہے۔ تمام صحابہؓ نے اس بات کو سمجھا اور اس پر چلتے رہے۔ ابوبکرؓ کی سقیفہ بنوساعدہ میں خاص بیعت (بیعتِ انعقاد) کی گئی اور مسجد نبوی میں عام بیعت (بیعتِ اطاعت) کی گئی۔ پھر ان لوگوں نے ابوبکرؓ کی بیعت کی جنہوں نے مسجد میں بیعت نہیں کی تھی' اور ان کی

بیعت معتبر سمجھی جاتی تھی، مثلاً علیؓ۔ اس کے بعد مسلمانوں نے عمرؓ عثمانؓ اور علیؓ کی بیعت کی۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ بیعت ہی خلیفۃ المسلمین کو مقرر کرنے کا طریقہ ہے۔

جہاں تک بیعت کی عملی تفصیل کا تعلق ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد فوراً بننے والے چاروں خلفاء ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ اور علیؓ کے تقرر سے واضح ہوتی ہے۔ تمام صحابہؓ نے بھی اس طریقہ کو تسلیم کیا اور اس کی تصدیق کی۔ اگر یہ طریقۂ کار شریعت کے مخالف ہوتا تو وہ ضرور اس سے انکار کر دیتے۔ کیونکہ اس کا تعلق ایک ایسی چیز سے ہے جس پر تمام مسلمانوں کے وجود اور اسلامی نظام کی بقاء کا دارومدار ہے۔ ان خلفاء کے تقرر میں جو کچھ ہوا اس پر غور کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سقیفہ بنوساعدہ میں بعض مسلمانوں نے بحث وتمحیص کی، اور فقط سعدؓ ابوعبیدہؓ عمرؓ اور ابوبکرؓ کو نامزد کیا۔ لیکن آپس میں بات چیت کے بعد ابوبکرؓ کی بیعت کر لی گئی۔ پھر دوسرے روز تمام مسلمانوں نے مسجد میں ابوبکرؓ کی بیعت کی۔ سقیفہ بنوساعدہ میں ہونے والی ''بیعتِ انعقاد'' تھی، جس کے نتیجے میں ابوبکرؓ خلیفہ بنے۔ اور مسجد میں دی جانے والی بیعت ''بیعتِ اطاعت'' تھی۔ اسی طرح جب ابوبکرؓ نے یہ محسوس کیا کہ ان کی بیماری مرض الموت ہے تو انہوں نے مسلمانوں کو بلایا تاکہ مشورہ کریں کہ مسلمانوں کا خلیفہ کون ہو؟ ان مشوروں میں رائے عمرؓ اور علیؓ کے بارے میں محدود رہی۔ ابوبکرؓ کو اس صلاح مشورے میں تین مہینے لگ گئے۔ جب یہ کام مکمل ہوا اور اکثریت کی رائے معلوم ہوگئی تو انہوں نے اعلان کیا کہ عمرؓ ان کے بعد خلیفہ ہوں گے۔ ان کی وفات کے بعد لوگ مسجد میں جمع ہوئے اور انہوں نے عمرؓ کی خلافت کی بیعت کی۔ پس وہ اس بیعت کے نتیجے میں خلیفہ بنے، نہ کہ ان مشوروں سے اور ابوبکرؓ کے اعلان سے۔ پھر جب عمرؓ زخمی ہوئے تو مسلمانوں نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ کسی کو خلیفہ بنا دیں۔ لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ بالآخر مسلمانوں کے اصرار پر انہوں نے چھ مسلمانوں کے نام لیے۔ ان کی وفات کے بعد ان چھ افراد نے اپنے میں سے عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو اپنا نمائندہ مقرر کیا۔ انہوں نے رائے اور مشورے کے لیے مسلمانوں کی طرف رجوع کیا۔ بالآخر عثمانؓ کی بیعت کا اعلان کیا گیا اور اس کے بعد مسلمانوں نے ان کی بیعت کی۔ یوں مسلمانوں کی بیعت سے عثمانؓ خلیفہ بن گئے، نہ کہ عمرؓ کی

نامزدگی سے اور نہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے اعلان سے۔ پھر جب عثمانؓ شہید ہو گئے تو مدینہ اور کوفہ کے مسلمانوں کی اکثریت نے علیؓ کی بیعت کی۔ لہٰذا وہ مسلمانوں کی بیعت سے خلیفہ بنے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ خلافت کی بیعت کی عملی تفصیلات یہ ہیں کہ مسلمان آپس میں اس بات پر تبادلۂ خیال کریں کہ کون سا شخص خلافت کے لائق ہے۔ یہاں تک کہ چند افراد کے بارے میں رائے سامنے آئے اور ان کے نام مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیے جائیں۔ پھر جسے وہ منتخب کر لیں تو تمام مسلمانوں سے اس کی بیعت کا مطالبہ کیا جائے۔ پھر یہی مطالبہ خلافت کے بقیہ امیدواروں سے بھی کیا جائے (جو خلیفہ منتخب نہ ہو سکے تھے)۔ جیسا کہ سقیفہ بنو ساعدہ میں سعدؓ ابوعبیدہؓ عمرؓ اور ابوبکرؓ کے بارے میں بحث ہوئی۔ آخر کار ابوبکرؓ کی بیعت کی گئی اور ان کی اس بیعت کو صرف نامزدگی کی حیثیت حاصل تھی اور وہ تمام مسلمانوں پر لازم نہ تھی۔ جب تک کہ عام مسلمانوں کی طرف سے ان کے لیے بیعت نہ لی گئی ہو۔

ابوبکرؓ نے عمرؓ اور علیؓ کے بارے میں مسلمانوں کے ساتھ تبادلۂ خیال کیا اور پھر عمرؓ کے بارے میں اعلان کیا۔ اس کے بعد عمرؓ کی بیعت کی گئی۔ عمرؓ نے چھ صحابہؓ کے درمیان معاملے کو رکھا اور مسلمانوں کی طرف رجوع کرنے کے بعد عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے عثمانؓ کے نام کا اعلان کیا اور پھر ان کی بیعت کی گئی۔ ان کی شہادت کے فوراً بعد مسلمانوں نے براہِ راست علیؓ کی بیعت کی۔ کیونکہ اس وقت فتنے کی صورت تھی اور یہ بات بالکل واضح تھی کہ عثمانؓ کی شہادت کے وقت مسلمانوں کی رائے میں خلافت کے لیے کوئی دوسرا شخص علیؓ کے برابر اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ معلوم ہوا کہ بیعت کا طریقۂ کار یہ ہے کہ نامزد شدہ لوگوں میں سے غور و فکر کے بعد مناسب امیدوار متعیّن کئے جائیں۔ پھر ان میں سے خلیفہ کا انتخاب کر لیا جائے اور پھر لوگوں سے اس کے حق میں بیعت لے لی جائے۔ اگرچہ یہ بات ابوبکرؓ کے مشوروں میں بھی واضح ہے لیکن عثمانؓ کی بیعت میں یہ بات خوب واضح ہوتی ہے۔ بخاریؒ نے زہریؒ سے بیان کیا ہے کہ حمید بن عبدالرحمٰنؒ نے انہیں بتایا کہ مِسوَرْ بن مخرمہؒ نے ان سے بیان کیا:

''عمرؓ کے نامزد کردہ اراکین اکٹھے ہوئے' آپس میں مشورہ کیا تو عبدالرحمٰنؓ بن

عوف نے ان سے کہا: ''میں تمہارے ساتھ اس معاملے میں مقابلہ کرنے والا نہیں ہوں۔ اگر تم چاہو تو میں تم میں سے کسی ایک کو تمہارے لیے منتخب کر سکتا ہوں۔'' سو انہوں نے یہ معاملہ اُن کے سپرد کیا۔ جب انہوں نے یہ ذمہ داری عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو سونپی تو عام لوگ بھی ان کی طرف رخ کرنے لگے۔ حتّٰی کہ یہ حالت ہوگئی کہ میں نے لوگوں میں سے کسی کو بھی اس گروہ (یعنی اہلِ مشورہ کے بقیہ اراکین) کی طرف جاتے ہوئے نہیں دیکھا' اور نہ کسی نے ان کی طرف قدم بڑھایا۔ لوگوں نے عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا رخ کیا اور راتوں میں انہیں مشورے دیتے رہے' حتّٰی کہ وہ رات آئی جس کی صبح ہم نے عثمانؓ کی بیعت کی۔ مسوَرؒ کہتے ہیں کہ رات کا کچھ حصہ ہی گزرا تھا کہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف میرا دروازہ کھٹکھٹانے لگے' حتی کہ میں بیدار ہوگیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا: ''عجیب بات ہے تم سو رہے ہو' اللہ کی قسم! میں آج کی رات کوئی زیادہ دیر نہیں سویا ہوں۔ جاؤ! زبیرؓ و سعدؓ کو بلاؤ۔'' میں انہیں بلا لایا۔ انہوں نے اِن سے مشورہ لیا' پھر مجھے بلایا اور کہا: ''علیؓ کو میرے پاس بلاؤ۔'' میں نے انہیں بھی بلا لیا۔ وہ اِن سے رات ڈھلنے تک سرگوشی میں باتیں کرتے رہے۔ پھر علیؓ کچھ توقعات کے ساتھ ان کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف علیؓ کی طرف سے کچھ خوف محسوس کرتے رہے۔ پھر انہوں نے مجھے عثمانؓ کو بلانے کے لیے کہا۔ میں نے انہیں بلا لیا تو وہ اُن سے سرگوشی میں گفتگو کرتے رہے' حتی کہ صبح کی اذان کے ساتھ ہی یہ ملاقات ختم ہوگئی۔ پھر انہوں نے نمازِ فجر کی امامت کی اور ان چھ افراد کے گروہ کو منبر کے گرد جمع کیا۔ انہوں نے مہاجرین وانصار میں سے موجود افراد کو بلا بھیجا اور ان سپہ سالاروں کو بھی' جنہوں نے اس سال عمرؓ کے ساتھ حج کیا تھا۔ جب وہ سب لوگ جمع ہوگئے تو عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے حمد وثناء اور صلاۃ وسلام کے بعد کہا: ''اے علیؓ! میں نے لوگوں کے معاملے میں غور کیا تو دیکھا کہ وہ عثمانؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔ لہٰذا آپ اپنے لیے

کوئی راستہ اختیار نہ کیجیے۔'' اس کے بعد عثمانؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: ''اللہ اس کے رسول اور ان کے بعد دونوں خلفاء کی سنت کے مطابق میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔'' چنانچہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف، پھر مہاجرین وانصار اور تمام مسلمانوں نے ان کی بیعت کی۔''

پس خلافت کے امیدواروں کی تعداد عمرؓ کے نامزد کردہ افراد تک محدود کر دی گئی، جب لوگوں نے عمرؓ سے اس کام کا مطالبہ کیا۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے خلافت سے دستبرداری کے بعد مسلمانوں سے رائے طلب کی کہ ان کا خلیفہ کون ہو؟ پھر لوگوں سے مشورے کے بعد اُس شخص کے نام کا اعلان کیا گیا جسے مسلمان خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ مسلمانوں کے منتخب کردہ شخص کے نام کے اعلان کے بعد اس کے لیے بیعت لی گئی اور اس بیعت کے ذریعے وہ خلیفہ بنا۔ اس سے ثابت ہوا کہ خلیفہ مقرر کرنے کا شرعی حکم (طریقہ) یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت اور اس کے بعد تمام مسلمانوں سے اس کی بیعت لی جائے۔ اور ان لوگوں سے بھی، جن کی رائے اس کے حق میں نہیں تھی۔ عمرؓ کا خاص چھ افراد کا تعیّن کرنا اور صحابہ کا اس پر خاموش رہنا، اس طریقے پر اجماعِ صحابہؓ (اجماعِ سکوتی) ہے۔ اسی طرح ان کا اس بات پر بھی اجماع تھا کہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف منصبِ خلافت کے لیے مسلمانوں سے رائے لیں۔ اور اس پر بھی، کہ اُس شخص کی بیعت کی جائے جس کا عبدالرحمٰنؓ بن عوف اعلان کریں گے کہ اسے مسلمانوں نے بطورِ خلیفہ چنا ہے۔ جیسا کہ ان کے قول سے ظاہر ہے: ''میں نے لوگوں کے معاملے پر غور کیا تو میں نے دیکھا کہ وہ عثمانؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔'' لہٰذا مندرجہ بالا نکات خلیفہ کے تقرر سے متعلق شرعی احکامات کے بارے میں بالکل صریح اور واضح ہیں۔

اب دو مسائل باقی رہ گئے:

(الف) وہ مسلمان کون ہیں جو خلیفہ کا انتخاب کریں گے؟ کیا وہ اہلِ حل وعقد ہیں یا مسلمانوں کی ایک مخصوص تعداد؟

(ب) موجودہ دور میں انتخاب کے لیے خفیہ میٹنگ، بیلٹ باکس اور ووٹوں کی گنتی جیسے طریقے

رائج ہیں۔کیاان اعمال کی اسلام اجازت دیتا ہے یانہیں؟

جہاں تک پہلے مسئلہ کاتعلق ہے تو شارع نے (خلیفہ کے انتخاب کا) اختیار امت کو دیا ہے۔اور خلیفہ کے تقرر کا حق اور ذمہ داری تمام مسلمانوں پر ہے' نہ کہ کسی ایک جماعت یا گروہ پر۔کیونکہ بیعت تمام مسلمانوں پرفرض ہے۔حدیث میں ہے:

(وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ ' مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً)

''اور جوکوئی اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں (خلیفہ کی) بیعت (کا طوق) نہ ہوتو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

یہ حکم تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے۔اس لیے باقی مسلمانوں کونظرانداز کر کے صرف اہلِ حل وعقد کوخلیفہ کے تقرر کا کوئی حق حاصل نہیں۔اور نہ یہ حق چندلوگوں کو حاصل ہے۔یہ حق بلااستثناء تمام مسلمانوں کا ہے' حتّٰی کہ فاجر (گنہگار) اور منافق بھی ان میں شامل ہیں۔بشرطیکہ وہ بالغ مسلمان ہوں۔کیونکہ تمام نصوص (قرآن وسنت کے تمام دلائل) عام ہیں۔ان میں غیر بالغ بچے کی بیعت رد کرنے کے علاوہ کسی اور شخص کی تخصیص نہیں کی گئی۔لہٰذا یہ احکامات عام ہیں۔

البتہ یہ شرعاً شرط نہیں کہ تمام مسلمان اس حق کو استعمال بھی کریں' اس بناء پر کہ یہ ان کا حق ہے۔اگرچہ خلیفہ کا تقرر فرض ہے اس لیے کہ بیعت فرض ہے' لیکن یہ فرضِ کفایہ ہے' فرضِ عین نہیں۔جب بعض لوگ اس کو قائم کرلیں تو باقی لوگوں سے یہ فرض ساقط ہوجائے گا۔البتہ یہ ضروری ہے کہ تمام مسلمانوں کے لیے خلیفہ کے انتخاب کے حق کو استعمال کرنا ممکن بنایا جائے۔قطع نظر اس سے' کہ وہ یہ حق استعمال کرتے بھی ہیں یانہیں۔یعنی یہ ضروری ہے کہ ہر مسلمان کوخلیفہ کے انتخاب کے سلسلے میں مکمل اختیار ہونا چاہیے۔گویا اصل مسئلہ یہ ہے کہ مسلمانوں کوخلیفہ کے تقرر کے سلسلے میں موقع فراہم کیا جانا ضروری ہے' تاکہ وہ اللہ کی طرف سے عائد فرض کو ادا کر کے اپنی ذمہ داری پوری کرسکیں۔یہ ضروری نہیں کہ تمام مسلمان عملاً بھی اس کام کوسرانجام دیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی رضامندی سے اپنے میں سے ایک خلیفہ کے مقرر کرنے کوفرض کیا ہے' نہ کہ تمام مسلمانوں کا اس عمل میں شامل ہونا۔اس سابقہ بحث سے دوضمنی باتیں واضح ہوتی ہیں:

(۱)۔ خلیفہ کے تقرر میں تمام مسلمانوں کی رضامندی یقینی طور پر پائی جائے۔

(۲)۔ تقرر میں ان تمام کی رضامندی ثابت نہ بھی ہو' لیکن ان دونوں صورتوں میں' تقرر کرنے یا نہ کرنے کی قدرت' تمام مسلمانوں کو حاصل ہونی چاہیے۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو یہ شرط نہیں کہ خلیفہ کے تقرر کے لیے مسلمانوں کی کوئی مخصوص تعداد اپنا حق استعمال کرے۔ بلکہ جتنے لوگ بھی خلیفہ کی بیعت کر لیں اور اس بیعت میں مسلمانوں کی خاموش رضامندی حاصل ہو جائے' یا وہ اس بیعت کی بناء پر اس کی اطاعت پر آمادہ ہو جائیں' یا کوئی بھی ایسا عمل کریں جو ان کی رضامندی پر دلالت کرتا ہو' تو منتخب خلیفہ تمام مسلمانوں کا خلیفہ ہوگا۔ اس خلیفہ کا قیام شرعی حیثیت رکھے گا' خواہ اسے پانچ افراد ہی مقرر کر لیں۔ لیکن تقرر کے اس عمل میں یہ گروہ (امت کی) اجتماعیت کا حامل ہو' نیز اس تقرر میں مسلمانوں کی رضامندی بھی شامل ہو۔ یہ رضامندی ان کی خاموشی' اطاعت پر آمادگی یا ایسی کسی بھی دوسری علامت کی صورت میں ہو سکتی ہے' بشرطیکہ ہر ایک کو مکمل اختیار اور اظہارِ رائے کا موقع حاصل ہو۔ مگر جب تک تمام مسلمانوں کی رضامندی حاصل نہ ہو اس وقت تک خلیفہ مقرر نہیں ہو سکتا۔ اور اس وقت تک' جب تک کہ یہ کام ایسی جماعت نہ کرے' جو مسلمانوں کی اکثریت کی نمائندہ ہو' خواہ اس جماعت کی تعداد کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو۔ اسی کے بارے میں بعض فقہاء کا قول ہے کہ اہلِ حل و عقد کی بیعت سے خلیفہ کا تقرر ہو جاتا ہے' کیونکہ وہ اہلِ حل وعقد ہی کو جماعت قرار دیتے ہیں' جو شرائط پر پورا اترنے والے شخص کی بیعت کر کے تمام مسلمانوں کی رضامندی حاصل کر لیتی ہے۔ لہٰذا اہلِ حل وعقد کی بیعت درحقیقت خلیفہ کا تقرر نہیں کرتی اور نہ تقرر شرعاً ان کی بیعت سے مشروط ہے۔ بلکہ اہلِ حل وعقد کی بیعت تو ان علامات میں سے ایک علامت ہے کہ مسلمان اس (شخص) کی بیعت پر رضامند ہیں۔ کیونکہ اہلِ حل وعقد ہی تمام مسلمانوں کے نمائندے تصور کئے جاتے ہیں۔ اور ہر وہ دلیل (علامت) خلیفہ کے تقرر کے لیے کافی ہے' جس سے اس بات کا اظہار ہوتا ہو کہ مسلمان اس خلیفہ کی بیعت پر راضی ہیں۔ چنانچہ اس علامت کی بدولت خلیفہ کا تقرر شرعی تصور کیا جائے گا۔

دراصل شرعی حکم (خلیفہ کے تقرر کا طریقہ) یہ ہے کہ کوئی بھی جماعت خلیفہ کا تقرر کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس تقرر پر مسلمانوں کی رضامندی کی علامت ظاہر ہو جائے۔ یہ علامت مطلوبہ علامات میں سے کوئی بھی ہو سکتی ہے۔ خواہ یہ اہلِ حل وعقد کی اکثریت کی بیعت ہو، یا مسلمانوں کے نمائندگان کی اکثریت کی بیعت، یا مسلمان کسی جماعت کی طرف سے خلیفہ کی بیعت پر خاموش رہیں، یا وہ اس بیعت کی بناء پر رضامندی کا اظہار کر دیں۔ الغرض ان کی رضامندی کی علامت کچھ بھی ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ انہیں اپنی رائے کے اظہار میں مکمل اختیار دیا جائے۔ شرعی حکم یہ نہیں کہ وہ اہلِ حل وعقد ہی ہوں، یا ان کی تعداد چار یا چار سو یا اس سے زیادہ یا کم ہو، یا وہ دارالخلافۃ سے تعلق رکھتے ہوں یا صوبوں میں رہنے والے ہوں۔ بلکہ شرعی حکم یہ ہے کہ ان کی بیعت سے مسلمانوں کی اکثریت کی رضامندی حاصل ہو جائے۔ خواہ اس کی علامت کوئی بھی ہو، بشرطیکہ ان مسلمانوں کو اپنی رائے کے اظہار میں مکمل اختیار حاصل ہو۔

یہاں تمام مسلمانوں سے مراد وہ مسلمان ہیں، جو اسلامی خلافت کے زیرِ حکمرانی زندگی بسر کرتے ہیں۔ یعنی اگر خلافت موجود تھی تو وہ لوگ، جن کے ذریعے اسلامی خلافت کا انعقاد ہوا، اور انہوں نے خلافت کے قیام اور اس کے ذریعے اسلامی زندگی کے ازسرِ نو آغاز کے لیے جدوجہد کی۔ جو مسلمان اس کے علاوہ ہیں، خلیفہ کی بیعت میں نہ ان کی بیعت شرط ہے اور نہ ان کی رضامندی۔ کیونکہ یا تو وہ خلافتِ اسلامیہ کے سلطان (اختیار) سے باہر ہیں (خارجی یا باغی)، یا وہ دارالکفر میں رہتے ہیں، اور ان کے لیے دارالاسلام کے ساتھ ملنا ممکن نہیں۔ ان دونوں کو ''بیعتِ انعقاد'' کا حق حاصل نہیں۔ لیکن ان پر ''بیعتِ اطاعت'' فرض ہے۔ یہ اس لیے کہ جو اسلامی اقتدار سے خارج ہیں، وہ باغیوں کے حکم میں ہیں۔ اور جو لوگ دارالکفر میں ہیں تو ان کے لیے اسلامی سلطان (اختیار) اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک کہ وہ عملاً اسے قائم نہ کر لیں اور اس میں داخل نہ ہو جائیں۔ لہٰذا جن مسلمانوں کو ''بیعتِ انعقاد'' کا حق حاصل ہے، اور جن کی رضامندی خلیفہ کے تقرر کے لیے شرعاً ضروری ہے، یہ وہ مسلمان ہیں جن کے ذریعے اسلامی اقتدار عملاً قائم ہوا ہو۔ یہ کہنا صحیح نہیں کہ یہ عقلی بحث ہے اور اس کے بارے میں کوئی شرعی دلیل

موجود نہیں۔ کیونکہ یہ بحث مناطِ حکم (حکم کے موضوع) کے بارے میں ہے، نہ کہ حکم کے بارے میں۔ لہٰذا شرعی دلیل پیش کرنے کے بجائے صرف اس موضوع کی حقیقت کی وضاحت کی ضرورت ہے۔ مثلاً مردار کھانا حرام ہے۔ یہ ایک شرعی حکم ہے اور اس بارے میں تحقیق کرنا کہ مردار کیا ہے، یہ مناطِ حکم ہے۔ یعنی وہ چیز، جس کے بارے میں شرعی حکم وارد ہوا ہو۔ چنانچہ خلیفہ کا تقرر ایک شرعی حکم ہے اور اس طرح یہ بھی شرعی حکم ہے کہ وہ انتخاب رضامندی اور اختیار سے ہونا چاہیے۔ یہی وہ چیز ہے جس کے لیے شرعی دلائل لائے جائیں گے۔ البتہ یہ کہ وہ کونسی حالت ہے، جس سے رضامندی اور اختیار ثابت ہو، تو یہ مناطِ حکم ہے۔ یعنی وہ موضوع کہ جس کے حل کے لیے وہ حکم وارد ہوا ہے۔ اس موضوع پر شرعی حکم کا پورا اترنا ہی حکمِ شرعی کو مستحق اور نافذ کرتا ہے۔ اس لیے اس چیز کی حقیقت سمجھنا نہایت ضروری ہے جس کے لیے وہ شرعی حکم نازل ہوا ہے۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مناطِ حکم دراصل حکم کی علت ہے اور اس کے لیے شرعی دلیل ضروری ہے۔ یہ کہنا اس لیے غلط ہے کہ مناطِ حکم اور علتِ حکم باہم مختلف ہیں۔ علت اور مناط میں بہت زیادہ فرق ہے۔ علت کی وجہ سے حکم بھیجا گیا، یعنی وہ چیز، جو اس حکم سے شارع کے مقصود پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس کے لیے شرعی دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ اس حکم سے شارع کا یہی مقصود ہے یا کچھ اور؟ جبکہ مناطِ حکم وہ موضوع ہے جس کے لیے حکم نازل ہوا۔ یعنی وہ مسئلہ، جس پر وہ حکم جاری کیا جائے۔ نہ یہ حکم کی دلیل ہے اور نہ علت کی۔ کسی چیز کے مناطِ حکم ہونے سے مراد وہ موضوع ہے، جس کے ساتھ یہ حکم متصل (معلق) ہو۔ یعنی حکم اس کے لیے بحیثیتِ حل آیا ہے، نہ کہ اسے (مناط کو) اپنا مقصد بنانے کے لیے، کہ ہم اسے علت کہہ سکیں۔ پس مناط حکم کا غیر نقلی پہلو ہے (جو وحی میں موجود نہیں) اور اس کی تحقیق علت کی تحقیق سے مختلف ہے۔ کیونکہ علت کی تحقیق کے لیے تو اس نص (قرآن وسنت کے الفاظ) کے مفہوم کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، جس میں علت بیان کی گئی ہے، اور یہ نقلیات (قرآن وسنت) کا فہم ہے نہ کہ مناطِ حکم کا (فہم ہے)۔ بلکہ مناط وہ ہے جو نقلیات میں سے نہیں، اور اس سے مراد وہ اَمرِ واقع (موضوع یا حقیقت) ہے، جس پر یہ شرعی حکم جاری ہوتا ہے۔ مثلاً اگر آپ کہیں کہ خمر (شراب) حرام ہے تو اس قول میں شرعی

حکم خمر کی حرمت کا ہے۔اب کسی خاص مشروب کا خمر (نشہ آور) ہونا یا نہ ہونا' مناطِ حکم کی تحقیق ہے' جس کے نتیجے میں اس مشروب پر حلت یا حرمت کا حکم جاری کیا جاسکے۔ پس ضروری ہے کہ کسی مشروب کو حرام کہنے کے لیے یہ تحقیق کی جائے کہ وہ نشہ آور ہے یا نہیں۔لہٰذا مشروب میں خمر کی موجودگی کے بارے میں تحقیق دراصل مناط کی تحقیق ہے۔اسی طرح جب آپ کہیں کہ جس پانی سے وضو جائز ہے' وہ مائے مطلق ہے' تو اس میں شرعی حکم یہ ہے کہ مائے مطلق سے وضو جائز ہے۔ لیکن ''ماء'' (پانی) کے مطلق ہونے یا غیر مطلق ہونے کے بارے میں تحقیق ضروری ہے' تاکہ اس پر حکم لگایا جاسکے کہ اس پانی سے وضو جائز ہے یا نہیں۔ پانی کی حقیقت کے بارے میں یہ تحقیق دراصل تحقیقِ مناط ہے۔اسی طرح جب آپ کہیں کہ جس شخص کو حدث ہو اس پر نماز کے لیے وضو ضروری ہے (کیونکہ وہ نماز کی شرط ہے) تو اس میں کسی شخص کے مُحدِث ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق دراصل تحقیقِ مناط ہے۔اسی طرح کئی اور مثالیں بھی ہوسکتی ہیں۔شاطبیؒ نے اپنی کتاب ''موافقات فی اصول الفقہ'' میں کہا ہے کہ: ''یہ اور اس طرح کے دیگر موضوعات' جو مناط کے تعیّن کا تقاضا کرتے ہیں' ان سب کے لیے حقیقت کی مناسبت سے الگ الگ ثبوت کا ہونا ضروری ہے۔'' اور دوسری جگہ کہتے ہیں: ''کبھی اجتہاد مناط کی تحقیق کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔لہٰذا اس میں شارع کے مقصد کا علم ہونا درکار نہیں۔جس طرح کہ عربی زبان کا علم بھی تحقیقِ مناط کے لیے ضروری نہیں ہے۔کیونکہ اس اجتہاد کا مقصد یہ ہے کہ اس حکم کے موضوع کی حقیقت معلوم کی جائے۔اس میں صرف اس چیز کے علم کی ضرورت ہوگی جس کے بغیر اس موضوع کی تحقیق نہ ہوسکے۔کیونکہ اس اجتہاد میں اسی چیز کی معرفت حاصل کرنا مقصود ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ مجتہد اس حوالے سے معرفت رکھتا ہو اور اس سلسلے میں پوری جدوجہد (کوشش) بھی کرے' تاکہ شرعی حکم اس تحقیق کے مطابق لگایا جاسکے۔''

علت کی تحقیق میں اس نص (قرآن وحدیث کے الفاظ) کے فہم کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے جس میں علت بیان کی گئی ہو' اور یہ نقلیات (قرآن وسنت) کا فہم ہے' مناط کا نہیں۔ بلکہ مناط تو وہ ہے جو نقلیات کے علاوہ ہے۔اس سے مراد وہ موضوع یا واقعہ ہے جس پر شرعی حکم جاری

ہوتا ہے۔ اگر آپ کہیں کہ خمر (شراب) حرام ہے تو کسی چیز کا خمر (نشہ آور) ہونا یا نہ ہونا تحقیقِ مناط ہے' اور جب مائے مطلق سے وضو جائز ہے تو کسی پانی کا مطلق ہونا یا نہ ہونا تحقیقِ مناط ہے۔ اور کہا جائے کہ محدث پر وضو فرض ہے تو اب کسی شخص کا محدث ہونا یا نہ ہونا' یہ تحقیقِ مناط ہے۔ تو تحقیق مناط اس چیز کی تحقیق ہے جو حکم کا موضوع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو مناط کی تحقیق کرتا ہے' اس کے لیے مجتہد یا مسلمان ہونا شرط نہیں' بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ اُسے اس چیز کے بارے میں علم ہو۔ پس معلوم ہوا کہ اُن مسلمانوں کے بارے میں بحث' جن کی بیعت رضامندی پر دلالت کرتی ہے' یہ بحث تحقیقِ مناط ہے۔

یہ بحث پہلے مسئلہ کے بارے میں تھی اور جہاں تک دوسرے مسئلہ کا تعلق ہے' تو وہ یہ ہے' کہ آج کل خفیہ رائے دہی' بیلٹ باکس' ووٹوں کی گنتی اور ان جیسے دیگر اعمال' رضامندی کے ساتھ انتخاب کے اسالیب ہیں یا نہیں ہیں؟ دراصل یہ شرعی حکم کے زمرے میں آتے ہیں اور نہ مناطِ حکم کے ضمن میں' جو موضوع ہے اور جس کے حل کے لیے شرعی حکم آیا ہے۔ کیونکہ یہ اسالیب براہِ راست بندوں کے افعال میں سے نہیں اور نہ یہ حکمِ شرعی کے انطباق (نفاذ) کا محل ہیں۔ بلکہ یہ تو اس بندے کے فعل کی ادائیگی کے وسائل ہیں' (اور بندے کا فعل ہی ہے) جس کے لیے حکم شرعی آیا۔ یعنی جس کے متعلق شارع کا خطاب وارد ہوا۔ اور (خلیفہ کی تقرر کے سلسلے میں) وہ خطاب یہ ہے کہ مکمل اظہارِ رائے کے ماحول میں مسلمانوں کی رضامندی کے ساتھ خلیفہ مقرر کیا جائے۔ اس لیے یہ اسالیب اور وسائل ان احکامات میں سے نہیں' جن کے لیے شرع سے دلائل تلاش کیے جائیں۔ بلکہ یہ ان اشیاء میں شامل ہیں کہ جن کے جائز ہونے کے بارے میں نصِ عام وارد ہوئی ہے۔ ان کی حرمت پر کوئی خاص دلیل نہیں' اس لیے یہ مباح (جائز) ہی شمار ہوں گے۔ مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ وہ انہیں یا ان کے علاوہ کوئی اور اسلوب اختیار کر کے' جو خلیفہ کے تقرر کی ادائیگی میں معاون ثابت ہوتا ہے' اس کو استعمال کر لیں' بشرطیکہ اس کی حرمت کی کوئی دلیل موجود نہ ہو۔ یہ کہنا درست نہیں کہ یہ اسلوب بندے کا فعل ہے اور صرف شرعی حکم کے مطابق ہی اسے اختیار کیا جا سکتا ہے' لہٰذا اس کے لیے دلیل ضروری ہے۔ کیونکہ بندے کے وہ افعال' جن کا

شرعی حکم کے مطابق ہونا ضروری ہے اوران کے بارے میں شرعی دلیل کا وجود بھی ضروری ہے' یہ وہ افعال ہیں جو فعلِ اصلی ہیں' یا کسی فعلِ اصلی کی فروعات (ضمنی افعال) ہیں۔ نیز اس فعلِ اصلی کی دلیل خاص ہو' دلیلِ عام نہ ہو۔ مثلاً نماز' جسے قائم کرنے کے لیے دلیلِ خاص وارد ہوئی ہے اور وہ نماز میں شامل تمام افعال پر مشتمل نہیں' (لہٰذا اس کے ہر فعل کے لیے دلیل کی ضرورت ہے)۔ البتہ اگر کسی فعلِ اصلی کی دلیل عام ہو تو وہ عام دلیل اس فعل کی تمام فروعات پر بھی جاری ہوگی۔ ایسے فعل کو' جو کسی (حلال) فعلِ اصلی کی فرع ہو' حرام قرار دینے کے لیے حرمت کی دلیل کی ضرورت پڑتی ہے' تاکہ وہ اپنے اصول کے حکم سے نکل کر نئے حکم میں آ جائے اور یہی معاملہ تمام اسالیب کے ساتھ ہے۔

انتخابات کے مسئلے میں فعلِ اصلی رضامندی اور اختیار کے ساتھ خلیفہ کا تقرر کرنا ہے۔ اور جو افعال اس اصلی فعل کے ضمن میں آتے ہیں' جیسے ووٹنگ' بیلٹ باکس کا استعمال' ووٹوں کی گنتی وغیرہ' تو یہ سب افعال اصلی کے حکم کے تحت آئیں گے اور ان کے لیے کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں۔ البتہ اصل کے حکم سے نکالنے' یعنی انہیں حرام قرار دینے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت ہوگی۔ تمام اسالیب بندوں کے افعال ہیں اور اسی حکم کے زمرے میں آتے ہیں۔ جہاں تک وسائل کا تعلق ہے تو یہ ذرائع ہیں' مثلاً باکس' جس میں پرچیاں ڈالی جاتی ہیں' تو ان پر اشیائے حکم کا اطلاق ہوگا نہ کہ افعال کا۔ اور ان پر یہ قاعدہ لاگو ہوگا: ''تمام اشیاء کے بارے میں اصل اباحت ہے جب تک حرمت کی کوئی دلیل نہ آئے۔'' طریقہ اور اسلوب میں فرق ہے۔ کہ طریقہ وہ فعل ہے' جو اصل ہے' یا ایسے اصل کی فرع ہے' جس کی دلیل عام نہ ہو' بلکہ خاص ہو۔ اسلوب ایسا فعل ہے جو ایسے اصل کی فرع ہو' جس کی دلیل عام ہو۔ چنانچہ طریقے کو شرعی دلیل سے ثابت ہونا چاہیے کیونکہ وہ شرعی حکم ہے۔ اسی لیے یہ بھی لازم ہے کہ اس کی سختی سے پابندی کی جائے اور جب تک اس میں اباحت کا حکم نہ ہو' اس وقت تک اس میں مسلمانوں کو (اپنی مرضی سے کرنے یا نہ کرنے کا) کوئی اختیار حاصل نہیں۔ جبکہ اسلوب کا شرعی دلیل سے ثابت ہونا لازمی نہیں' اور اس پر وہی حکم لاگو ہوگا جو اس کے اصل کا ہے۔ اسی لیے کسی خاص اسلوب کو سختی سے اختیار کرنا واجب نہیں'

چاہے اسے رسول اللہ ﷺ نے بھی اختیار کیا ہو۔ بلکہ مسلمان کے لیے ہر اس اسلوب کو اختیار کرنا جائز ہے جو مطلوبہ عمل کی ادائیگی کا ذریعہ بنے۔ یوں وہ اسلوب اس مطلوبہ عمل کی فرع قرار پاتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اعمال کی نوعیت ہی اسلوب کو متعیّن کرتی ہے۔

خلیفہ کی سبکدوشی

خلیفہ اس وقت معزول ہوجاتا ہے جب اس کی حالت میں ایسی تبدیلی آ جائے' جو اُسے خلافت سے باہر کردے۔ خلیفہ کو معزول کرنا اس وقت بھی واجب ہوجاتا ہے جب اس کی حالت میں کوئی ایسی تبدیلی آئے جو اسے خلافت کے دائرے سے تو باہر نہ نکالتی ہو' لیکن شرعاً اس کا اس عہدے پر برقرار رہنا ناجائز ہوجائے۔ ان دو حالات' یعنی وہ حالت کہ خلیفہ کو خلافت کے دائرے سے باہر کرے' اور وہ حالت' جس میں اسے معزول کرنا واجب ہو' ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ خلیفہ کی حالت میں پہلی قسم کی تبدیلی اسے خلافت کے دائرے سے خود بخود باہر نکال دیتی ہے۔ اب اس کی اطاعت واجب نہیں رہتی۔ جبکہ دوسری تبدیلی' جس میں اس کی سبکدوشی فرض ہوجاتی ہے' اس کی اطاعت اس وقت تک فرض رہے گی جب تک عملاً اسے معزول نہیں کیا جائے گا۔ اس کی حالت میں جو تبدیلی اسے خود بخود خلافت کی اہلیت سے باہر نکال دیتی ہے' وہ تین امور پر مشتمل ہے:

(۱)۔ جب وہ اسلام سے مرتد ہوجائے اور اس ارتداد پر اصرار بھی کرے۔

(۲)۔ جب وہ مکمل طور پر مجنون ہوجائے اور صحت یاب نہ ہوسکے۔

(۳)۔ وہ کسی ایسے زبردست دشمن کے ہاتھوں قید ہوجائے کہ نہ اس سے نجات پانے کی طاقت رکھتا ہو اور نہ قید سے آزادی کی کوئی امید ہو۔

یہ تین صورتیں ہیں جو اسے خلافت سے نکال دیتی ہیں اور وہ فوراً معزول ہوجاتا ہے' خواہ اس کی سبکدوشی کے بارے میں فیصلہ بھی نہ کیا گیا ہو۔ اب اس کی اطاعت بھی فرض نہیں رہتی اور نہ ان لوگوں پر اس کے احکامات کو بجالانا فرض ہوتا ہے' جن کے پاس ان تین صورتوں میں سے

کسی ایک صورت کا ثبوت موجود ہو۔ البتہ یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ ان میں سے کوئی ایک صورت رونما ہوئی ہو اور اسے ''محکمۃ المظالم'' کے سامنے ثابت کیا جائے' جو خلیفہ کی معزولی کا فیصلہ صادر کرتا ہے' تا کہ مسلمان کسی اور کو خلیفہ چن لیں۔

جس شخص کے حال میں ایسی تبدیلی ہو' جو اسے خلافت سے تو نہ نکالے' لیکن اس کا خلیفہ رہنا بھی جائز نہ ہو' وہ پانچ امور ہیں:

(۱)۔ اُس کے عدل کی صفت مجروح ہو' یعنی وہ کھلم کھلا فسق کرنے لگے۔

(۲)۔ وہ مؤنث یا خنثی شکل کا بن جائے (مخنث ہو جائے)۔

(۳)۔ اُس پر پاگل پن کے ایسے دورے پڑیں کہ کبھی صحت یاب ہو اور کبھی دیوانہ۔ اس حالت میں اس کا وصی (جس کے لیے اس نے وصیت کی ہو) مقرر کیا جا سکتا ہے اور نہ وہ وکیل بنا سکتا ہے۔ کیونکہ خلافت کا عقد اس کی ذات سے متعلق ہے۔ لہٰذا کوئی شخص اس کا قائم مقام نہیں بن سکتا۔

(۴)۔ کسی بھی وجہ سے خلافت کی ذمہ داری پوری کرنے کا اہل نہ رہے۔ خواہ جسمانی اعضاء میں سے کسی عضو میں نقصان کی وجہ سے ہو یا کسی موذی مرض کے باعث' جو فرائض کی ادائیگی سے اسے روکے اور شفایاب ہونے کی امید بھی نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ بطورِ خلیفہ اپنے فرائض کی ادائیگی سے عاجز ہو جائے تو دین کے تمام امور اور مسلمانوں کے مفادات کو نقصان پہنچے گا' جو حرام ہے' اور جس کو ختم کرنا ضروری ہے۔ اس کو ختم کرنے کی یہی صورت ہے کہ اسے معزول کر کے دوسرا خلیفہ مقرر کیا جائے۔ لہٰذا اس حالت میں اس کی سبکدوشی فرض ہو جاتی ہے۔

(۵)۔ ایسی مجبوری یا رکاوٹ' جو اسے اپنی مرضی سے شریعت کے مطابق مسلمانوں کے امور کی دیکھ بھال سے روک دے۔ جب اس پر کوئی طاقت اس حد تک غالب آ جائے کہ وہ شریعت کے احکامات کے مطابق اپنی آزاد رائے سے مسلمانوں کے امور کی دیکھ بھال نہ کر سکے' تو اس صورت میں وہ خلافت کی ذمہ داری اٹھانے سے (حکماً) عاجز سمجھا جائے گا۔ اس لیے اب اسے معزول کرنا فرض ہوگا۔ یہ معاملہ دو صورتوں میں ہو سکتا ہے:

پہلی صورت: اس کے حاشیہ برداروں میں سے کوئی شخص یا کئی اشخاص اس پر اس طرح مسلط ہو جائیں کہ وہ جبراً اس سے اپنی رائے کے مطابق معاملات نمٹائیں۔ اور وہ ان کی مخالفت کی اہلیت نہ رکھنے کی وجہ سے انہی کی رائے پر عمل کرنے پر مجبور ہو۔ اس صورت میں معاملے کا جائزہ لیا جائے گا۔ اگر مختصر مدت میں ان کے تسلط سے خلاصی پانے کی امید ہو، تو انہیں دور کرنے اور ان سے نجات پانے کے لیے اسے مختصر مدت دی جائے گی۔ اگر اس نے ایسا کر لیا تو رکاوٹ دور ہو جائے گی اور وہ عاجز نہ رہے گا۔ اگر ایسا نہ کر سکا تو اس کو معزول کرنا فرض ہوگا۔

دوسری صورت: وہ کسی قیدی کی طرح ہو جائے، یا ایسے دشمن کے تسلط اور اثر و رسوخ میں چلا جائے کہ دشمن جس طرح چاہے، ہدایات دے، اور مسلمانوں کے امور کی دیکھ بھال کرنے میں خلیفہ سے اس کا اختیار چھن جائے۔ اس صورت میں بھی جائزہ لیا جائے گا کہ اگر مختصر مدت میں اس سے چھٹکارا پانے کی امید ہو تو اسے مہلت دی جائے گی۔ اگر وہ نجات پانے میں کامیاب ہو گیا تو رکاوٹ دور ہو گئی اور وہ عاجز نہ رہا۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو اس کی سبکدوشی فرض ہے۔

ان پانچ صورتوں میں سے کسی بھی ایک صورت کا پایا جانا خلیفہ کی سبکدوشی کا سبب بنتا ہے۔ لیکن اس کو ''محکمۃ المظالم'' کے سامنے ثابت کرنا ضروری ہے، جو اس کی خلافت کے خاتمے اور اس کی سبکدوشی کا فیصلہ صادر کرتا ہے۔ تاکہ مسلمان کسی اور کو تین دن کے اندر اندر اپنا خلیفہ مقرر کر لیں۔

خلافت کا نظام ایک منفرد نظام ہے

یہ بحث، یعنی خلافت کی بحث ایک سیاسی بحث ہے۔ یہ حکومت کے اعلیٰ ترین درجے پر بحث ہے۔ اور جیسا کہ ظاہر ہے کہ یہ اس کے افکار کی بحث ہے۔ یہ ایک فاش غلطی ہوگی کہ ایک غیر مسلم قاری افکار کی صداقت کو حقیقت کے علاوہ کسی اور کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کرے۔ اسی طرح مسلمان بھی انہیں صرف کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہی کے پیمانے سے جانچیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک فکر کی درستی کو کسی دوسری فکر سے نہیں جانچا جا سکتا، الّا یہ کہ وہ اسی فکر کی فرع ہو۔ اس (فکر) کو یا تو حقیقت کے ساتھ مطابقت، یا اس کے اصل کے ساتھ، جو حقیقت سے تصدیق شدہ ہو، موافقت کی بناء پر جانچا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ہم قاری کو خبردار کرنا چاہیں گے کہ ان افکار کو دقتِ نظر اور اُس حقیقت سے واقفیت کے ساتھ پڑھے، جو یہ (افکار) ظاہر کر رہے ہیں۔ جب وہ اسلامی دنیا کے طول وعرض (مشرقِ وسطیٰ ومشرقِ بعید) اور دنیا کے بہت سے حصوں میں ''نظامِ حکومت'' میں مسائل اور پیچیدگیاں محسوس کرتا ہے تو بہتر ہے کہ اسے ''نظامِ حکم'' کے یہ (اسلامی) افکار معلوم ہونے چاہییں۔ تاکہ اس کے مکمل ادراک کے بعد وہ دنیا میں حکومتی نظام کے بحران کے حل کو سمجھ سکے۔ یہ حل ہی بہترین علاج ہے اور انسانیت پر حکومت اور ان کے امور کی دیکھ بھال کے لیے اس سے بہتر کوئی علاج نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی بھی قاری جب اس میں تدبر سے کام لے اور اپنے موضوع کو یہاں تک محدود رکھے کہ آیا یہ افکار کس حد تک حقیقت اور شرعی دلیل سے مطابقت رکھتے ہیں، تو وہ نتیجتاً یقین کر لے گا کہ اس نے لوگوں پر حکومت کرنے کا صحیح طریقہ پا لیا ہے۔

اس کتاب کے افکار کی صداقت کو جانچنے کے لیے جمہوریت کو معیار بنانا اور جمہوریت

کے افکار سے متأثر ہو کر ان کا مطالعہ کرنا نہایت غلط ہوگا۔ جمہوریت دنیا میں اس حد تک پھیل چکی ہے کہ اس کا نام تمام ریاستوں' افراد اور قوموں پر آئیڈیل نظام کی حیثیت سے چھا چکا ہے۔ مغربی ریاستوں کے اختیار کرنے کے بعد اہلِ مشرق نے بھی اسے اپنانا شروع کر دیا۔ حالانکہ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ مجموعی طور پر تمام مسلمان اس سے متاثر ہو چکے ہیں' چاہے ان کا تعلق اس گروہ سے ہو' جو خلافت کا مسلمانوں کے ذریعے قائم ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں' یا اُس گروہ سے' جو خلافت کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں (کہ خلیفہ کو اللہ اور اس کے رسول نے متعیّن کیا) اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ سب کے سب اپنی آراء کو جمہوریت یا اس کے چند افکار کے نام پر لوگوں تک پہنچا رہے ہیں۔ چنانچہ ہم دوبارہ خبردار کرتے ہیں کہ ان افکار کے مطالعے کے لیے غیر افکار خصوصاً جمہوریت کے افکار کو معیار نہ بنایا جائے۔ مثال کے طور پر بعض لوگوں کا ذکر کیا گیا' جنہوں نے حکومت کے بارے میں تحقیقات کیں' مختلف ممالک میں حکومت کا مشاہدہ کیا' اور تاریخ کو منطقی مفروضات کی بنیاد پر پڑھا' پھر حکومتوں کے بارے میں لکھا:

''اگر حکومت عوام کی اکثریت کے حوالے کی جائے' تو اس کو ''جمہوریت'' کہتے ہیں۔ اگر حکومت کسی محدود اور خاص طبقے کے ہاتھوں میں رہے تو اس کو ''طبقاتی نظام'' کہیں گے۔ اگر حکومت ایک ہی شخص کے سپرد کی جائے' اور دوسرے لوگ اختیارات کے بارے میں اس کی طرف رجوع کریں تو اس کو ''بادشاہت'' کہا جائے گا۔''

اور حکومت سے وہ مراد اختیار اور قانون سازی دونوں لیتے ہیں۔ اسی بنیاد پر تمام حکومتوں کے ڈھانچے کھڑے ہیں۔ اور اسی بنیاد پر مختلف ممالک اور ممالک کے درمیان اتحاد اور مختلف حکومتیں' انتخابات اور ووٹنگ وغیرہ ظاہر ہوتے ہیں۔

یہ تمام افکار مکمل طور پر غیر اسلامی حکومت کے افکار ہیں' اسلام اور ان کے درمیان بڑا فرق ہے' کیونکہ اسلام کا نظامِ حکومت نظامِ خلافت ہے۔ وہ ہر طرزِ حکومت سے ممتاز ہے۔ پس رعایا کے امور کی دیکھ بھال اور خارجی تعلقات سے متعلق معاملات میں شریعت ہی ہے' جس کو نافذ کیا جاتا ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے ہے' نہ کہ لوگوں کی طرف سے۔ نہ یہ کچھ افراد کی جانب سے ہے

اور نہ یہ ایک فرد کا معاملہ ہے۔ بلکہ ہر اس فرد کے لیے، جو اسلام پر ایمان رکھتا ہے، جو عربی زبان اور نصوصِ شرعیہ کو سمجھنے کی وجہ سے اس شریعت کو سمجھتا ہے، اسے عربی زبان اور شرعی نصوص کی حدود کے اندر اور اس کے آس پاس اس چیز کو سمجھنے کا مکمل حق حاصل ہے۔ یعنی جہاں تک اس کا ذہن کام کرے۔ اور اس کی یہ رائے اس پر اور ہر اس شخص پر، جو اس کی رائے کو قبول کرے اور اسے اختیار کرے، شرعی حکم بن جاتا ہے۔ اگر وہ جج یا حکمران ہو تو اسے اس کے مطابق لوگوں پر نافذ کرنے کا حق حاصل ہے۔ خلیفہ، جو اسلامی ریاست کا سربراہ ہوتا ہے، کوئی اسلامی رائے اختیار کرے تو پھر خلیفہ کی اختیار کردہ رائے قانون بن جاتی ہے اور تمام رعایا پر اس رائے کے مطابق عمل کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انہیں اپنی آراء چھوڑنی پڑیں گی۔ اگرچہ ان پر فرض ہے کہ وہ قانون یعنی خلیفہ کی اختیار کردہ رائے کے مطابق عمل کریں اور اس قانون کی تابعداری کریں، لیکن انہیں اپنی آراء کے مطابق لوگوں کو اسلام کی تعلیم دینے اور ان کے مطابق اسلام کی طرف بلانے سے نہیں روکا جائے گا۔ لوگوں کو اس بنیاد کے مطابق غور و فکر کرنے کی اجازت ہے، جس پر اسلام قائم ہے، یعنی اسلامی عقیدہ۔ پس لوگوں کو قانونی اور غیر قانونی موضوعات کے بارے میں سوچنے کی اجازت ہے۔ جس طرح کہ انہیں کسی بھی چیز کے متعلق سوچنے کا حق حاصل ہے۔ مگر ایک شرط کے تحت، اور وہ یہ کہ تمام شرعی افکار لازماً عقیدے ہی سے پھوٹیں۔

یہ تو قانون سازی اور فکری پہلو کے بارے میں بحث تھی، لیکن جہاں تک حکومت کا تعلق ہے تو وہ قانون سازی سے مختلف ہے۔ اس کا مطلب سلطان (اختیار) ہے، نہ کہ ''نظامِ حکم''۔ کیونکہ ''نظامِ حکم'' تشریع (قانون سازی) سے متعلق ہے اور وہ شرعی احکامات ہیں۔ شریعت نے تمام مسلمانوں، یعنی امت کے مرد و زن کو سلطان سونپا ہے، سو ہر مسلمان کا اختیار میں حق ہے۔ اور ضرورت پڑنے پر وہ اس حق کو استعمال کر سکتا ہے۔ امت ''سلطہ'' (اختیار) میں اپنے اس حق کے ذریعے اللہ کی شریعت کو نافذ کرنے کے لیے اپنے اوپر ایک شخص کو مقرر کرتی ہے۔ اسے کتاب و سنت پر بیعت دیتی ہے۔ وہ بیعت، کہ جس میں فریقین کی مرضی اور اختیار شامل ہوتا ہے۔ اس طرح ان کے درمیان خلافت کا عقد طے پاتا ہے، نہ کہ اجرت کا معاہدہ (عقد

اجارہ) ہوتا ہے۔ اگر چہ خلافت اس امت اور انسانیت کے لیے رحمت ہے' لیکن خیال رہے کہ خلافت کی بنیاد (مقصد) شریعت کا نفاذ ہے' امت کا مفاد نہیں۔ اگر بظاہر امت کا مفاد شریعت کے خلاف بھی ہو تو صرف شریعت ہی نافذ کی جائے گی۔ چنانچہ اگر امت ایک شرعی حکم چھوڑنے کا مطالبہ کرے تو خلیفہ انہیں اس کی بجا آوری پر مجبور کرے گا۔ اگر امت شریعت کو چھوڑ دے تو خلیفہ پر ان سے قتال کرنا فرض ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ شریعت کی طرف واپس آ جائیں۔ کیونکہ خلیفہ کو صرف شریعت نافذ کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ اور امت کے پاس خلیفہ کو اپنی خواہش کے مطابق معزول کرنے کا کوئی حق نہیں' بلکہ اسے معزول کرنے کا حق صرف مخصوص حالتوں میں ہے۔ اور بعض مخصوص حالات میں وہ خود بخود معزول ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں پھر اسے ہٹا دیا جاتا ہے۔ اس سے صرف ایک حالت میں قتال کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ جب وہ کوئی غیر اسلامی حکم یا قانون نافذ کرنے کی کوشش کرے۔ اگر چہ خلیفہ کو امت نے مقرر کیا ہے' لیکن اس کا معاملہ امت کے ہاتھ میں نہیں' بلکہ شریعت کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن ''سلطہ'' (اختیار)' جو امت کا حق ہے' خلیفہ کو مقرر کرنے کے ساتھ ختم نہیں ہوتا' بلکہ یہ ہمیشہ اس کے پاس رہتا ہے۔ امت خلیفہ کی موجودگی کی صورت میں اس حق کو اس طرح استعمال کرے گی کہ شریعت کے نفاذ اور امت کے امور کی دیکھ بھال نہ کرنے کی صورت میں خلیفہ کا محاسبہ کرتی رہے۔ اور اس کے لیے وہ مناسب طریقوں کو اپنائے گی' جن کی شرع اجازت دے۔ خلیفہ کا امت کے احتساب کے آگے سر جھکانا فرض ہوگا اور اس صورت حال کو واضح کرنا ہوگا جس پر امت نے اعتراض کیا۔ حتیٰ کہ اگر امت اس وجہ سے اس کے خلاف ہتھیار اٹھالے تو اسے مدافعت میں جنگ کرنے کی بھی اجازت نہیں' جب تک کہ وہ امت کے شکوک رفع نہ کر دے۔ اور لوگوں کے سامنے اپنا مؤقف واضح نہ کر دے۔

یہ ہے اسلام میں اقتدار کی حقیقت! اور اسی بنیاد پر نظامِ حکم قائم ہے۔ یہ بنیاد ریاستوں کی دیگر فروعی اقسام کو جنم نہیں دیتی' بلکہ اس کی ایک ہی شکل ہے۔ یہ وحدت کا نظام ہے' اتحاد کا نہیں۔ یہ وحدت کے نظام کی حفاظت اور اتحاد کے نظام کو ختم کرنے کی جدوجہد کو فرض قرار دیتا ہے۔ اس میں حکومت کی متعدد اقسام نہیں۔ درحقیقت اس میں کوئی حکومت ہے ہی نہیں' کیونکہ

ریاست اور حکومت ایک جسم ہے، جو خلیفہ اور اس کے معاونین پر مشتمل ہے۔ جہاں تک اس نظام کی فروعیات کا تعلق ہے تو خلیفہ کے تقرر کا طریقہ، مسلمانوں کو اپنی مرضی اور اختیار سے خلیفہ کو چننے اور اس سے بیعت لینے کے حق کی ضمانت، نیز امت کے ہر فرد کے لیے اس رضا اور اختیار کا حق فراہم کرنا، یہ سب کے سب شرعی احکام ہیں۔ ان میں سے کچھ احکام خلافت کے موضوع کے ساتھ خاص ہیں اور کچھ احکام تمام عقود کے لیے عام ہیں، بشمول خلافت کے عقد کے۔ ممکن ہے کہ خلافت کا نظام انتخاب کی آزادی، ووٹنگ اور رائے کی آزادی کے حوالے سے جمہوری نظام کے مشابہ محسوس ہو۔ مگر دونوں نظاموں کو مشابہ سمجھنا فاش غلطی ہوگی۔ کیونکہ جمہوری نظام میں یہ امور آزادیوں سے اخذ شدہ ہیں، جبکہ اسلام میں یہی امور خلافت کے معاہدے، نیز تمام معاہدوں کے لیے دی گئی شرائط سے اخذ شدہ ہیں۔ یعنی رضامندی اور اختیار، جو خلافت کے معاہدے میں پورا نہ ہو، تو معاہدہ باطل ہوگا اور خلیفہ شرعاً قائم متصور نہ ہوگا۔ انتخاب میں آزادی کو یقینی بنانے اور معاہدے میں رضامندی اور اختیار کو یقینی بنانے میں بڑا فرق ہے۔ کہ آزادی لوگوں کا فیصلہ ہے۔ اگر یہ حاصل نہ ہو تو یہ معاہدے کے قانونی ہونے پر اثر انداز ہوگا، لیکن رضامندی اور اختیار کی ضمانت معاہدہ کا شرعی حکم ہے، لوگوں کا فیصلہ نہیں۔ سو اگر یہ حاصل نہ ہوا تو معاہدہ باطل ہوگا اور شرعاً وقوع پذیر ہی نہ ہوگا۔ اس طرح اسلام کے تمام افکار جمہوریت کے افکار سے مختلف ہیں۔ لہٰذا جب (اقتدار کے حوالے سے) اسلامی افکار کا مطالعہ کیا جائے تو اس کو بحیثیت ایک نظامِ حکم کے لیا جائے، جو تمام نظاموں سے منفرد ہے۔ اس نقطہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے، کہ یہ کس قدر اقتدار کی حقیقت سے مطابقت رکھتا ہے، اور کسی بھی عام اقتدار کے ساتھ نہیں، بلکہ ایک مخصوص اقتدار کی حقیقت کے ساتھ، اور اُس اقتدار سے، جس سے انسان پوری انسانیت پر اعلیٰ ترین اقتدار کے ذریعے عملی طور پر حکومت کرتا ہے، یا شرعی حکم کے پہلو کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس کا مطالعہ کریں، جہاں سے یہ احکام اور افکار مستنبط کیے گئے ہیں۔

اس بنیاد پر ہم قاری سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ اس سیاسی بحث کو مکمل طور پر ایک ایسے نظامِ حکم کے طور پر پڑھے، جو دوسرے نظاموں سے متمیز ہے اور ان افکار کی صحت جانچنے کے لئے

ان دو معیاروں کے علاوہ اور کسی شے کو معیار نہ بنائے۔ اور یہ کہ کیا یہ افکار اس نظامِ حکم کی حقیقت کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں، جو انسانی تاریخ میں اعلیٰ و اعرف ترین ہیں۔ اور آیا کہ یہ افکار اُس بنیاد کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں، جس سے ان کا استنباط کیا گیا ہے، یعنی کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔